کوئی آتا ہے کوئی جاتا ہے یہ طریقہ کیا ہے
کچھ سمجھ میں نہیں آتا یہ تماشہ کیا ہے
آنے والے تو چلے جاتے ہیں لیکن
جانے والا نہیں آتا یہ فسانہ کیا ہے

سات مہتمم صاحبان کا کچھ ذکر خیر

مرتب

عبدالسلام ابراہیم مارویا، لاجپوری
خادم مسجد قبا، اسٹامفورڈ ہل، لندن

نام کتاب۔سات مہتمم صاحبان کا کچھ ذکر خیر

مؤلف۔عبدالسلام ابراہیم مارویا، لاجپوری

خادم۔مسجد قبا اسٹامفورڈ ہل، لندن

صفحات۔

تعداد۔۵۰۰

قیمت۔مطالعہ، عمل ودعا

طباعت۔

ناشر۔مکتبہ سلیمانیہ، اجمیری محلّہ، لاجپور

کتاب ملنے کا پتہ

(۱) مکتبہ سلیمانیہ، اجمیری محلّہ، لاجپور، سورت

(۲) مدرسہ اسلامیہ صوفی باغ، سورت

(۳) مولانا عبداللہ لاجپوری، موبائل:9898926717

(۴) صالح کتاب سینٹر، نوساری، موبائل:9824741280

(۵) عبدالسلام لاجپوری، لندن، موبائل:07877937731

ابتدائیہ
حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ
ستارے زمیں کے بجھے جارہے ہیں
سرزمین کاپودرا
۲۷ سال تک منصب اہتمام پرفائز رہے
اہتمام کانٹوں بھرا تاج ہے
مہتمم اورصدرمدرس میں بردباری کا ہونا ضروری ہے
صدقۂ جاریہ
فن پڑھانے والے اساتذہ کوترجیح دی
اکابرین کوفلاح دارین میں تشریف آوری کی خصوصی دعوت
دوراندیشی
چمن
بیت الخلاء کی صفائی کااہتمام
اکابر کے تاثرات
یہ صفت احسان نہیں ہے
تصنیف وتالیف
صدائے دل،، سے متعلق چند باتیں

صدائے دل،، کی چند خوبیاں
ثمرہ
توازن واعتدال
دینی غیرت وحمیت
آپ کے چند اوصاف حمیدہ کا اجمالی ذکر
قطعات
علمی لگن
ذوقِ مطالعہ
پاکیزہ ذوق
علمی استفادہ
ہر بات کی تحقیق کا مزاج
چھوٹوں کی حوصلہ افزائی
علم کی نشر واشاعت کا جذبہ
سادگی
سرپرستی
افراد سازی
سیاست

حمیت دینی
قوت حافظہ
خوبی
رواداری
عصری حسیت
حکمت
ذاتی کتب خانہ
کتب بینی وقطب بینی
اہم نصیحت
ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد
اکابر سے مشورہ
حسن السوال نصف العلم
والد مرحوم بھی بزرگوں کے قدردان تھے
ملفوظات
اہنسا کے اصول پر کون عمل پیرا ہے
مسلمان قوم کی بے حسی
اظہار خوشی کا ایک طریق

صفائی
مٹنے والوں کی رہی ہمیشہ اونچی منزل
یہ بھی اسراف ہے
مسلمان رحمت پسند ہے نہ کہ دہشت پسند
درددل
قومی تباہی کے دوسبب
ہر چیز کا الزام مولوی پر کیوں؟
ملکہ
ہمارے اکابر ایسے تھے
چند مفید کتابوں کی نشاندہی
اکابر کی دوراندیشی
حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب نوراللہ مرقدہ
سب کو جانا ہے ایک دن
جو انسان دنیا میں آیا ہے وہ جانے ہی کے لئے آیا ہے
کوہ ہمالہ آہ! نظروں سے اوجھل ہوگیا
بزرگوں کی وراثت کا امین چلا گیا
آقا کا شکر ہم کبھی ادا نہیں کرسکتے

درس وتدریس سے لگاؤ
حق گوئی
نہ معلوم ہماری باری کب آتی ہے
ایک زمانہ ایسا بھی کراچی میں دیکھا ہے کہ...
شیخین کی زیارت کا شرف
بزرگوں کی زیارت وملاقات کا ذکر
ان نئی روشنیوں کے چکر میں نہ پڑنا
درس کی پندرہ خصوصیات

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحبؒ

سپوت چلا گیا
خاندان عثمانی
ایں خانہ ہمہ آفتاب است
اللہ والے سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کرے
مشکل کام
سلام کی برکت
میں طالب علم ہوں
یہ تو ایک جنم روگ ہے

تاسیس دارالعلوم کراچی

حضرت مفتی زرولی خان صاحبؒ

شمع ہوگی جہاں پروانہ وہاں پہنچے گا

علم والوں کو کبھی موت نہیں آتی

ملفوظات

حضرت مولانا یوسف متالا صاحبؒ

بزم کی رونق چلی گئی

ہے راہ عدم کی کتنی ہموار

خدا کا نام لئے جاؤ کام آئے گا

ایسی رحلت پر ایک عالم سوگوار ہوتا ہے

اہل خانہ کے دلوں پر......

خواب

تعبیر خواب

نکاح اور خواب

سن دکھایا گیا تو سن آئے گا

سِن ،سَن بن جائے گا

شیخ کو میری یہ تعبیر پسند آئی

من بنی لله مسجدا....
شیخ عبدالعزیز بن صالح کا انتقال
منارسونے کا اس لئے دکھایا گیا کہ..........
ثواب کے طور پر جو ملنے والا ہے......
متالا اور مطالعہ
عظیم کام انجام دیئے
نسبت حسینی
جو آج دینی ماحول نظر آرہا ہے....
طریقۂ کار مختلف، مقصد ایک
سب پودا نہیں کی لگائی ہوئی ہے
تاریخ مدارس اتنی ہی قدیم ہے......
مدارس کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے
چراغ ہم نے جلائے ہوا کے رستے میں
قلندر ہر چہ گوید، دیدہ گوید
اتنی رقم سے تو....
دارالعلوم کوئی مالدار ادارہ نہیں ہے
تکلیف دہ ایام کا تذکرہ

مسجد کی تعمیر کے لئے.......
لطیف تنبیہ
آگ زنی کا واقعہ
دارالعلوم کے ابتدائی حالات
دارالعلوم بری کی مقبولیت
ایک نور اٹھتا ہوا دیکھ رہا ہوں
دارالعلوم بری کا فیض
مولانا ریاض الحق اور.....
تعداد فضلاء
خوشی کی بات
میں ملک چھوڑ کر جا رہا ہوں
اولیت
دینی ادارے کی بنیاد ڈال کر...
جو قطب زمانہ ہے
صرف تیری وجہ سے پڑھاتا ہوں
ایک اور (کوئن) لے
رشک

مشورہ
ہندوستان واپس آجاؤں
جلالین کو کیوں نہیں لیا؟
دروازہ پر میں حاضر رہتا تھا
نفل کے خاطر اتنے سارے فرض ضائع کردیئے
ڈانٹ
ایک تعلق ایسا بھی
وہ زندگی جنتی زندگی محسوس ہوتی تھی
عملیات سے گریز کریں
لعاب دہن کی برکت
عرفات کے سارے آنسو تو اسی میں ہیں
تقسیم ہند اور حضرت شیخ کے آنسو
الایمان بین الخوف والرجاء
شرف امامت
کاش! حضرت میری نماز جنازہ پڑھادیں
بڑے یقیناً بڑے ہوتے ہیں
پیر کا دن ایام فاضلہ میں سے ہے

باب موتِ یوم الاثنین

پیر کے دن موت افضل ہے کیونکہ.....

ماضی قریب میں پیر کے دن......

حضرت مفتی عبداللہ پٹیلؒ

بخدا کسی کا مکان نہیں

انتقال

ذہانت

من طلب العلی سهر اللیالی

نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا

حضرت مولانا محمود شبیر راندیریؒ

رحلت کا سلسلہ تسلسل کے ساتھ جاری ہے

نسبت

تعلیم

اساتذہ

کیا فرق ہے؟

دارالعلوم میں داخلہ

من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین

خاموش طبیعت کے مالک تھے

خاموشی کے کچھ فوائد

ایسی ویسی باتوں سے تو اچھا ہے خاموش رہو

ایک اہم وصف

وطن میں رہ کے بھی عزت مجھے ملی

بارعب شخصیت کے مالک تھے

مطالعہ

مطالعہ بہت ضروری ہے

تاحیات اپنے کو طالب علم سمجھے

علمی کمالات کی اصل مطالعہ ہے

مطالعہ معدوم، علمیت معدوم

کتابیں اور مطالعہ آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا

کتابوں کی فروخت

تدریس

تدریسی زبان

درس لکھنے کے لئے نہیں ہوتا

غیر حاضری سے گریز

وقار

وقت کی پابندی مثالی تھی

دوران درس پانی پینے کی عادت تھی

اخبار بینی کے تعلق سے ہمارے اکابر کا ذوق

اخبار پڑھتے وقت اس چیز کا خیال رکھے

اخبار کو لوگ ایسے بھی پڑھتے ہیں

انداز اصلاح

مہتمم میں بردباری کا ہونا ضروری ہے

ہر درد کی دوا گویا مہتمم ہی ہوتا ہے

والد مرحوم کے نقش قدم پر تھے

بسا دنیا میں دو مہتمم دیکھے

میرا بھائی محمد سعید چلا گیا

اہتمام کی سمجھ بوجھ گھر کی دہلیز سے ملی تھی

دارالافتاء کا آغاز

انسان بڑا بن کے بھی انسان رہے

چاند کمیٹی کی صدارت

دنیا انہیں دیکھتی ہیں اور مجھ کو یاد کرتی ہے

احسان کا مزہ ہے احسان کر کے بھولے
آخری منزل

حضرت مفتی یعقوب اشرف صاحب راندیریؒ

مختصر سوانحی خاکہ
دو قسم کے کمالات
وہبی کمالات
کسبی نعمت
مثالی اہتمام
دادا جان کے نقش قدم پر
محبت شیخ
شیخ کے مشن سے عقیدت
گلشن سلیمانی سے وابستگی
اولیت
ایک مہتمم ایسا بھی
فرمائش
جس کا میں خود بھی گواہ رہا
خاص سلوک

مزاج یعقوبی
پھروہ یہیں کا ہوکر رہ جاتا تھا
اندازِ تدریس
انداز خطابت
انتظار
’’توفیق الباری،،مل گئی ہے
پل
با قاعدہ نورانی بن جاتا تھا
اصلاح
ملفوظات
یہ بھی اللہ تعالی کی ایک نعمت ہے
موجودہ دور کی ایک عام بیماری
دوران خطابت ایک معمول
چلو شیخ جلال آبادی سے مطابقت ہوگئی
مولانا عبید اللہ سندھیؒ
سنگ بنیاد
سب سے پہلے مدرس

پیسوں کی فکر مت کر
چندے کی ضرورت کیوں پڑی؟
مسجد
رکشہ بھی تو سواری کا ہی ایک سادھن ہے
وقفہ کی حکمت
جب اجتماعی عمل ہو رہا ہو اس وقت انفرادی عمل کو......
یہ محبت کی بات ہے کہ کوئی جمعہ......
حدیث اور فقہی کتب کے مصنفین
مسیح الامت کا ایک خاص اعزاز
حضرت خضر سے ملاقات کی ہے؟
قیامت وہبی نہیں کسبی ہے
اچھا معلوم نہیں ہوتا ہے
ذاکر کو ہمیشہ تر و تازہ رہنا چاہئے
دارالعلوم اشرفیہ کا خصوصی امتیاز
بدعات سے بچنے کا ذریعہ بنیں
شیخ کا چہرہ دیکھنا اور وہ بھی بے وضو
تعلق

اس سے طلباء کو بھی روحانی فائدہ حاصل ہوتا ہے

احترام

ادب

ابتدائیہ

کتاب ہذا میں سات مہتمم صاحبان کا کچھ ذکر خیر کیا گیا ہے، منصب اہتمام بقول حضرت مولانا ابرار احمد صاحب دھلیویؒ کانٹوں بھرا تاج ہے، ہند و پاک میں بے شمار دار العلوم قائم ہے، اس کتاب میں سات مہتمم صاحبان کا ذکر خیر اس غرض سے کیا گیا ہے کہ موجودہ مہتمم صاحبان اور مستقبل میں اہتمام سنبھالنے والوں کے ہاتھ کچھ نہ کچھ کام کی بات لگ جائے۔

مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحبؒ فرماتے تھے کہ جس شخص میں بردباری نہیں وہ مہتمم اور صدر مدرس بننے کے لائق نہیں ہے، مہتمم اور صدر مدرس میں بردباری کا ہونا بہت ضروری ہے۔

خطیب الامت حضرت مولانا ابرار احمد صاحب دھلیویؒ فرماتے تھے کہ مہتمم ہونا کوئی آسان کام نہیں ہوتا، یہ ایک نعمت ہونے کے ساتھ امتحان اور آزمائش بھی ہے، مدرسوں کی دنیا میں مدرس کا کام ہوتا ہے کہ مطالعہ کرے اور درس دے، دیگر خدام کی شان یہ ہے کہ ان کے اوقات فکس ہیں، مگر اہتمام ایک ''بلا،، ہے اور ''بلا،، کے دو معنی ہیں جیسا کہ آیت کریمہ ''**وفی ذلکم بلاء من ربکم عظیم**،، میں بلا کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں ''ابتلاء،، اور ''انعام،، تو اہتمام میں بلاء یعنی ''نعمت،، بھی ہے اور ''زحمت،، بھی ہے، وہ کانٹوں بھرا تاج ہے، رات دو بجے بھی کوئی معاملہ یا مسئلہ پیش آئے تو مہتمم کو بیدار کیا جاتا ہے کہ

مدرسہ میں یہ سانحہ رونما ہوا، صبح کوئی مسئلہ پیش آجائے، شام کوئی مسئلہ پیش آجائے نگاہیں مہتمم کو ہی ڈھونڈ رہی ہوتی ہے، مدرسہ جاری ہوتو اس پر نظر، مدرسہ میں تعطیل ہوتب اس پر نظر، اپنے اس کو تلاش کرتے ہیں اور پرایا آجائے تو وہ بھی اسی کو تلاش کرتا ہے، تو جتنی جہتیں ہیں ہر جہت سے اس کی ذمہ داری ہوتی ہے، یہ جو مشہور مصرعہ ہے کہ ۔

ہر درد کی دوا صل علی محمد

اسی طرح مدرسوں کی دنیا میں ہر درد کی دوا گویا مہتمم ہی ہوتا ہے کہ کوئی قضیہ اور معاملہ ہوتو وہی اس کا ذمہ دار ہوتا ہے، اس کی ایسی حیثیت ہوتی ہے کہ یہ بلب ہیں، یہ پنکھے ہیں اور اس کے علاوہ بھی مختلف قسم کے آلات چلتے ہیں مگر دراصل یہ برق کا اثر ہے کہ وہ تمام میں تابندگی اور زندگی پیدا کئے ہوئے ہیں، تو مہتمم بے چارہ یوں تو اپنے مقام پر بیٹھا ہوتا ہے مگر بعض مرتبہ ایسے حالات پیش آتے ہیں کہ وہ ''کسمپرسی،، کا شکار ہو جاتا ہے۔

حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ کو حضرت مولانا محمد سعید صاحب راندیریؒ نے اہتمام کے تعلق سے ایک اہم نصیحت یہ کی تھی کہ '' چلتے بیل کو گودے مت مارنا،، مطلب یہ تھا کہ مدرسہ میں جو اساتذہ اچھی طرح اپنا کام کر رہے ہیں خواہ مخواہ ان کے کام میں کیڑے نکال کر ان کو پریشان نہ کرنا، مہتمم صاحبان کو چھوٹی چھوٹی باتوں میں پکڑ کرنے میں فائدہ نہیں ہوتا، چشم پوشی بھی کرنی پڑتی ہے، ہر مہتمم

کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشیں کرلینی چاہئے۔

طلباء کو اچھی طرح ہینڈل کرنا پڑتا ہے، ورنہ طلباء سے نبھاؤ کوئی آسان کام نہیں ہوتا، طالب علم اور استاذ کے درمیان کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آجائے تو وہ موقع مہتمم کے لئے بڑا امتحان کا ہوتا ہے، سلجھے اور تجربہ کار مہتمم کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ وہ ایسا فیصلہ کرے کہ استاذ کے مقام پر بھی زد نہ پڑے اور طلباء کا دل بھی رہ جائے۔

ایک مزیدار قصہ۔حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ سے سنا جس کا مفہوم یہ ہے کہ علی گڑھ یونیورسٹی میں استاذ اور طلباء کے درمیان کچھ بات ہوگئی، معاملہ وائس چانسلر کے پاس پہنچا، انہوں نے یکے بعد دیگرے الگ الگ دونوں کو یعنی استاذ جی اور طلباء کو اپنے دولت کدہ پر بلایا اول استاذ جی کو حاضر ہوئے اور اپنی بات رکھی، ان کی پوری بات سن کر وائس چانسلر صاحب نے فرمایا کہ تم ٹھیک کہتے ہو، وہ سمجھے میری بات مان لی گئی، اس کے بعد طلباء کو بلایا ان کی پوری گفتگو بھی کو بھی خوب دھیان سے سنا اور فرمایا کہ تم ٹھیک کہتے ہو، طلباء سمجھے ہماری بات رکھ لی گئی، یہ سب باتیں پردہ کے پیچھے سے ان کی بیوی سن رہی تھی، وہ ان سے کہنے لگی کہ تم عجیب گھن چکر ہو دونوں کیسے صحیح ہوسکتے ہیں؟ کوئی ایک صحیح ہوگا اور دوسرا غلط، اس پر وائس چانسلر صاحب گویا ہوئے کہ بیگم تم بھی ٹھیک کہتی ہو، (حضرت نے وائس چانسلر صاحب کا نام بھی ذکر کیا تھا میرے ذہن سے محو ہوگیا)۔

مہتمم کے لئے وصف تدبر سے موصوف ہونا ضروری ہے، تاکہ پیش آمدہ مسائل کا جذبات سے بالاتر ہوکر صحیح رخ سے جائزہ لے سکے اور مدبرانہ فیصلہ کر سکے اور اس سے ملت کو بھی فائدہ پہنچے۔

مہتمم کے اندر وصف رافت اور مروت بھی بے حد ضروری ہے تاکہ تدبر اور تفکر کے ساتھ کئے گئے حاکمانہ فیصلے حکیمانہ انداز میں نافذ کئے جاسکے جو ظلم و زیادتی سے پاک ہوں۔

مہتمم کو وصف جرأت سے موصوف ہونا بھی ضروری ہے تاکہ اپنے مدبرانہ فیصلے بے لاگ اور بے خوف ہوکر نافذ کر سکے، جرأت نہ ہوگی تو بہتر سے بہتر فیصلے فقدان ہمت کے باعث ٹھنڈے بستے میں پڑے رہ جائیں گے۔

مدارس میں مہتمم کی ذمہ داری بہت بڑی ہوتی ہے کہ اس کو سارے مدرسے کی معاشی کفالت کا بوجھ برداشت کرنا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ داخلی سطح پر تعلیمی نظام کی نگہداشت بھی کرنا ہوتی ہے، اس لئے ان کو اس کا اضافی نعم البدل ضرور ملنا چاہئے، ان کی سہولیات ان کی محنت کے بقدر ایک مدرس کے برابر یقیناً نہیں ہوسکتیں لیکن کیا مدرس کے لئے بھی ملک کی عمومی صورتحال کے مطابق مشاہرہ ہونا چاہئے یا اس کی مجبوری اور ان کی تعداد کی کثرت کو دیکھتے ہوئے جو طے کردیا جائے وہی ٹھیک ہے؟

حضرت مولانا توصیف القاسمی صاحب کا مہتمم اور اہتمام کے تعلق سے

ایک مضمون نظر سے گذرا اس کا کچھ حصہ نظر قارئین ہے۔

لکھتے ہیں کہ مدارس کے احوال واقعی کا چشم دید گواہ ہوں طالب علمانہ حیثیت سے بھی اور معلمانہ حیثیت سے بھی، مدارس اسلامیہ کے اساتذہ ۲۴ گھنٹے کام کرتے ہیں ان کو ملتا کیا ہے؟ کھودا پہاڑ نکلی چوہیا۔

مدارس میں پڑھانے والے یہ بے بس اساتذہ اپنی تنخواہوں کا انتظام کرنے کے لئے چندہ بھی کرتے ہیں جو کہ تدریس سے زیادہ ضروری ہوتا ہے اور پھر مکمل چندہ لاکر مہتمم واہل کمیٹی کے آہنی ہاتھوں میں دے دیتے ہیں، جس پر یہ حضرات سانپ کی طرح کنڈلی مار کر بیٹھ جاتے ہیں اور دولت کو پیدا کرنے والے یہ اساتذہ سات آٹھ ہزار روپیہ مہینے پر گذارہ کرتے ہیں، جس کھانے پر اساتذہ و طلباء کا انحصار ہوتا ہے وہ اس قدر قابل رحم ہوتا ہے کہ وہ مہتمم جس کو چٹور پن کی عادت لگی ہوئی ہے وہ بھی اس کھانے کو کبھی نہیں کھاتا اور اپنا کھانا الگ سے اپنے گھر بنواتا ہے، اساتذہ اگر تنخواہوں میں اضافے کا مطالبہ کر بیٹھیں تو قرون اول کے زاہدین کی مثالیں دے کر خاموش کر دیتے ہیں، دار العلوم دیو بند کے شیخ الحدیث مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری بھی اپنی تقریروں میں اساتذہ کی کم تنخواہوں کا مسئلہ اٹھا چکے ہیں اور مہتمم حضرات کی پر تعیش زندگیوں پر کڑی تنقید کر چکے ہیں لیکن مہتمم حضرات کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔

ستارے زمیں کے بجھے جا رہے ہیں

ستارے زمیں کے بجھے جا رہے ہیں

ہمارے اکابر چلے جا رہے ہیں

چمن میں ویرانی سی پھر چھا رہی ہے

گلوں کے شگوفے جلے جا رہے ہیں

محبت کی راہیں جنہوں نے دکھائیں

وہ جنت میں سب ہی بسے جا رہے ہیں

وہ راتوں کو لمبی دعا کرنے والے

وہ محروم ہم کو کئے جا رہے ہیں

وہ امت کے رہبر وہ داعی الی اللہ

جمیل اب جہاں سے چلے جا رہے ہیں

جو دستار شفقت ہمارے ہیں صفی

ہمارے سروں سے اٹھے جا رہے ہیں

حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی نوراللہ مرقدہ
سابق مہتمم دارالعلوم فلاح دارین، ترکیسر، انڈیا

سرزمین کاپودرا

حضرت مولانا کا اصل وطن ''جیتالی،، اور پیدائش ''برما،، کی ہے مگر آپ کی پوری زندگی '' کاپودرا،، میں گذری ہے، آپ کی وہاں سکونت سے '' کاپودرا،، کی سرزمین کو یہ شرف حاصل ہوا کہ بڑے بڑے اکابر کی آمد کاپودرا میں ہوئی ،اس طرح اہل کاپودرا اکابر کی زیارت و ملاقات سے مشرف اوران کی اصلاحی باتوں سے مستفیض ہوئے ،سرزمین کاپودرا کے متعلق مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحبؒ کا ملفوظ ہے کہ اس بستی میں تو '' ذکر،، کرنے کو جی چاہتا ہے، نیز اس بستی میں حضرت حکیم الامتؒ کے مواعظ کو ایک طویل عرصہ تک سبقاً سبقاً پڑھا گیا ہے،اور حضرت حکیم الامت کے مواعظ کو گجراتی زبان میں ترجمہ کرکے شائع کرنے کا کام بھی اس بستی کے ایک فاضل منشی محمود قاسم صاحبؒ نے کیا ہے (رشد و ہدایت کے منارص ۱۴۶ بتغیر)

۲۷ سال تک منصب اہتمام پر فائز رہے

اللہ تبارک وتعالی نے حضرتؒ کو جن گونا گوں کمالات اور خوبیوں سے نوازا تھا ان میں ایک کمال اور خوبی ''حسن انتظام،، ہے،حضرت نے سرزمین گجرات کی مشہور دینی درسگاہ ''دار العلوم فلاح دارین،، ترکیسر کا تقریباً ستائیس سال تک اہتمام وانتظام سنبھالا اور صرف سنبھالا ہی نہیں بحسن وخوبی سنبھالا یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کا حق ادا کردیا اور آنے والوں کے لئے مشعل راہ چھوڑ گئے کہ اہتمام کے

فرائض کیسے انجام دیئے جاتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ دنیا میں بظاہر جو چیزیں مشکل نظر آتی ہیں ان میں ایک چیز کسی بھی ادارے کا نظم ونسق اور انتظام وانصرام ہے، ان میں بھی کسی دینی ادارے کا اہتمام بہ چندوجوہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔

اہتمام کانٹوں بھرا تاج ہے

خطیب الامت حضرت مولانا سید ابرار احمد صاحب دھلیوی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اہتمام درحقیقت ''کانٹوں بھرا تاج'' ہے، مدرسوں کی دنیا میں مدرس کا کام ہوتا ہے کہ مطالعہ کرے اور درس دے، خدام کی شان یہ ہے کہ ان کے اوقات فکس ہیں مگر اہتمام ایک ''بلا،، ہے اور ''بلا،، کے دو معنی ہیں جیسا کہ آیت کریمہ ''**وفی ذلکم بلاء من ربکم عظیم**،، میں بلا کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں ''ابتلاء،، اور ''انعام،، تو اہتمام میں ''بلا،، یعنی ''نعمت،، بھی ہے اور ''زحمت،، بھی ہے، رات دو بجے بھی کوئی مسئلہ پیش آئے گا تو مہتمم کو جگایا جاتا ہے کہ مدرسہ میں یہ سانحہ رونما ہوا ہے، مدرسہ میں تعلیم ہو رہی ہو تب مدرسہ میں چھٹیاں ہوں تب بھی اس پر نظر، اپنے اس کو تلاش کرتے ہیں اور پرایا کوئی آجائے تو وہ بھی اسی کو تلاش کرتا ہے، تو جتنی جہتیں ہیں ہر جہت سے اس کی ذمہ داری ہوتی ہے، یہ جو مشہور مصرعہ ہے کہ ؎

ہر درد کی دوا ہے صل علی محمد

اسی طرح مدرسوں کی دنیا میں
ہر درد کی دوا گویا مہتمم ہی ہوتا ہے۔

مہتمم اور صدر مدرس میں بردباری کا ہونا ضروری ہے

حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحبؒ فرماتے تھے کہ جس شخص میں ''بردباری،، نہیں وہ ''مہتمم،، اور ''صدر مدرس،، بننے کے لائق نہیں ہے مہتمم اور صدر مدرس میں بردباری کا ہونا بہت ضروری ہے، حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ جو بردبار بنا وہ سردار بن گیا اور جو سردار بن گیا اس نے فائدہ اٹھایا۔

حضرت نے تقریباً ستائیس سال تک ''دارالعلوم فلاح دارین، ترکیسر،، کا اہتمام سنبھالا، اللہ تعالی نے حلم و بردباری کے وصف سے حضرت کو مالا مال فرمایا تھا

صدقۂ جاریہ

آپ کے دور اہتمام میں ادارے کی شہرت دور دراز ملکوں تک پھیلی، فلاح دارین کے فضلاء دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں اور بحسن وخوبی دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں، یہ سب حضرت کے لئے صدقۂ جاریہ ہے۔

فن پڑھانے والے اساتذہ کو ترجیح دی

حضرت نے اپنے دور اہتمام میں ''تدریس،، کے لئے ایسے اساتذہ کا انتخاب کیا جو صرف کتاب نہیں بلکہ بچوں کو ''فن،، پڑھائیں اس کی خاطر آپ نے ہندوستان کے مختلف صوبوں کا سفر کیا اور ''فن،، پڑھانے والے اساتذہ کی ایک

اچھی خاصی کھیپ ''فلاح دارین،، میں لاکھڑی کی، پھر کیا تھا مدرسہ تعلیمی میدان میں دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرتا چلا گیا اور صرف گجرات ہی کے اداروں میں نہیں بلکہ پورے ہندوستان کے دینی مدارس میں اس نے تعلیمی و تربیتی اعتبار سے اپنا ایک خاص مقام بنایا۔

اکابرین کی آمد

اپنے دور اہتمام میں اس بات کا بھی خوب اہتمام کیا کہ ہندو بیرون ہند سے چنیدہ صاحب علم، صاحب تقوی، اور علمی میدان کے ماہرین کو دعوت دے کر فلاح دارین میں بلایا اس طرح طلباء کو ان کی زیارت وملاقات اور ان کے علم و تجربات سے استفادے کہ مواقع بھی ملتے رہے۔

دوراندیشی

اللہ تعالی نے ایک خوبی یہ بھی ودیعت فرمائی تھی کہ آپ بہت دور کی بہت پہلے سوچ لیتے تھے۔

ایک مثال۔''فلاح دارین،، میں طلباء کو انگریزی زبان سکھانے کا فیصلہ آپ کا ہی تھا، آپ نے اس وقت انگریزی زبان کو سکھانا شروع کرایا جب دیگر مدارس والوں نے اس کی'' نیت،، بھی نہیں کی تھی، مگر قربان جایئے آپ کی تربیت پر کہ ایک طرف تو بچوں کو انگریزی زبان بھی سکھلائی اور انگریزیت کی ان میں بو بلکہ وسوسہ تک بھی نہیں آنے دیا۔

’’صدائے دل،،جلد سوم ص نمبر ۱۶۵،۱۶۶پر ہے حضرت دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد سعید صاحب راندیریؒ (سابق مہتمم جامعہ حسینیہ راندیر،ضلع سورت)ایک مرتبہ فلاح دارین تشریف لائے، گجرات کے کسی مدرسہ میں انگریزی داخل نصاب نہیں تھی اور ہم نے اسے نصاب میں داخل کیا تھا،اس زمانہ میں ہمارے بعض علماء کواشکال بھی تھا کہ میں نے ایک نئی چیز مدرسہ میں شروع کی ہے، چنانچہ تشریف لائے اور درسگاہ سے باہر کھڑے ہوکر طلبہ کو بغور دیکھتے رہے، میں سوچ رہا تھا کہ معلوم نہیں حضرت کیا دیکھ رہے ہیں؟ پھر جب دفتر میں تشریف لائے تو خود ہی فرمایا کہ مولوی صاحب! میں ہر درسگاہ کے پاس کھڑے ہوکر طلباء کوبغور دیکھ رہا تھا آپ کے دل میں یہ بات آئی ہوگی کہ یہ کیا دیکھ رہا ہے، میں نے کہا حضرت یقیناً یہ بات میرے ذہن میں آئی تھی،آپ نے فرمایا کہ میں یہ دیکھ رہاتھا کہ انگریزی زبان جو یہاں شروع ہوئی ہے تو کہیں انگریزی ثقافت تو طلبہ میں نہیں آرہی ہے، میں ان کے بالوں کی کٹ دیکھ رہاتھا کہ کسی طالب علم کے بالوں پرانگریزی کٹ تونہیں ہے، پھرآپ نے فرمایا کہ الحمدللہ! مجھے ایک بھی طالب علم ایسا نظرنہیں آیا نیز فرمایا کہ اس عمل پر قائم رہو،زبان ضرور سکھلاؤ البتہ یہ خیال رہے کہ انگریزی ثقافت ان میں داخل نہ ہوجائے (بتغیر)

جیسا کہ ذکر کیا کہ جب فلاح دارین میں انگریزی زبان سکھانا شروع کیا تولوگوں نے یہ طعنے بھی دیئے کہ یہ تو مودودی لگتا ہے، ہمارے بزرگوں کے نہج سے

ہٹ کر کام کر رہا ہے، حالانکہ حضرت بزرگوں کے نہج پر ہی کام کرنا چاہتے تھے اس لئے کہ دار العلوم دیوبند کے بانیوں میں سے ایک حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے خود انگریزی زبان کی افادیت کو محسوس فرمایا تھا۔

حضرتؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ حضرت ایک قافلہ میں مکہ معظّمہ جارہے تھے جن میں حضرت گنگوہیؒ وغیرہ بھی تھے تو جہاز کے کیپٹن کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہندوستان کے یہ بڑے بڑے علماء ہیں تو اس نے ایک مرتبہ ملاقات کی اور اس نے کچھ دینی اور مذہبی چیزوں پر سوالات کئے، حضرت نانوتویؒ جواب دیتے رہے اور ایک صاحب اس کی ترجمانی کرتے رہے، اس وقت حضرت نانوتویؒ نے فرمایا تھا کہ اگر میں انگریزی زبان جانتا تو اس شخص کو خوب اچھی طرح اسلام سمجھاتا، حضرت مولانا کی دور اندیشی نے اس آہ کو محسوس کیا اور دین کو پھیلانے کے لئے آپ نے انگریزی کلاس شروع کی اور اس میں کامیاب بھی رہیں۔

آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ انگلینڈ، کینیڈا اور دیگر ممالک میں کہ جہاں کی اصل زبان انگریزی ہے فلاح دارین کے طلباء بلاتکلف انگریزی زبان میں بیان کرتے ہیں اور نوجوانوں کے دینی سوالات کے جوابات بھی دیتے ہیں اس طرح نوجوانوں کی علمی پیاس بجھا رہے ہیں، یہ سب حضرتؒ کی دور اندیشی کا ثمرہ ہے۔

مضمون کی مناسبت سے انگریزی زبان مدارس میں طلباء کو سکھلائی جانی

چاہئے یا نہیں؟ اس کے متعلق چند اکابر کی آراء۔

حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ ''لالہ وگل،، میں مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے ایک مکتوب کا اقتباس یوں نقل کرتے ہیں کہ یاد پڑتا ہے انگریزی میٹرک تک آپ نے پڑھ لی تھی، پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ جو شد بد بھی انگریزی میں میسر ہو چکی ہے بجائے گھٹانے کے اس کو بڑھائے، حال ہی میں ''الفرقان،، میں مولانا نعمانی (مولانا محمد منظور نعمانیؒ) نے آپ کے والد ماجد قبلہ قدس سرہ (خاتم المحدثین حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ) کا خیال نقل کیا ہے کہ اسلام کی خدمت اس زمانہ میں انگریزی دانی کے بغیر مشکل ہے، خاکسار نے بھی ''نظام تعلیم و تربیت،، میں شاہ صاحبؒ کا کوئی قول اس سلسلے میں نقل کیا ہے، سچ تو یہ ہے کہ انگریزی کے ساتھ ساتھ اب تو ہندی بھاشا بلکہ سنسکرت تک کی اسلامی دین کے خدام کو ضرورت پیش آ گئی ہے (لالہ وگل ص ۱۰۴ بتغیر)

علامہ سید سلیمان ندویؒ ''حیات شبلی،، میں تحریر کرتے ہیں کہ:

مولانا کو انگریزی زبان کی ضرورت کا احساس اتنا ہو گیا تھا کہ علماء کے لئے بھی اس کا جاننا ضروری سمجھتے تھے اس احساس ضرورت کا ایک دلچسپ واقعہ انہوں نے ۱۹۱۲ عیسوی میں ایک تقریر میں بیان فرمایا تھا۔

علماء کے لئے انگریزی دانی کی ضرورت کے سلسلہ میں فرمایا جب میں ترکی سے واپس آیا تو اتفاق سے گھر میں علالت تھی، ایک رات کو ۱۲ بجے تار آیا میں

نے کھولا دل میں شبہ پیدا ہوا کہ کیا واقعہ ہے، خدا جانے کیسا تار ہے؟ خیر، میں دوڑا ہوا سر سید مرحوم کے نواسہ کے پاس گیا انہوں نے پڑھ کر سنایا کہ یہ تار نواب علی حسن خاں صاحب نے بھوپال سے بھیجا ہے، آپ کو ترکی سے بخیرت واپس آنے پر مبارک باد دیتے ہیں، یہ حال ہم مولویوں کا ہے، اسی لئے وہ ندوہ کے نئے مدرسہ میں انگریزی زبان پڑھانے پر بضد تھے، چنانچہ دارالعلوم ندوہ کے نصاب میں اس کے داخل کئے جانے کی تحریک ۱۸۹۹ء میں کی، مگر کامیابی نہ ہوئی، آخر انہی کے اصرار سے ۱۹۰۳ء میں انگریزی ایک ضروری مضمون کی حیثیت سے شریک کی گئی۔

غالباً ۱۹۰۸ء کی بات ہے کہ میں نے مولانا سے عرض کیا کہ عربی کے ہر طالب علم کو انگریزی زبان پڑھنے پر کیوں مجبور کیا جاتا ہے، مثلاً جو لوگ فقیہ بننا چاہتے ہیں ان کو انگریزی کیا کام آئے گی، فرمایا عجیب بات کہتے ہو، اگر فقہاء انگریزی جانتے اور ہماری فقہ کو انگریزی میں منتقل کرسکتے تو ہدایہ وغیرہ کے انگریزوں اور غیر مسلموں کے کئے ہوئے غلط سلط ترجمے آج عدالتوں میں سند نہ قرار پاتے۔

اصل یہ ہے کہ مولانا کو یہ احساس تھا کہ اگر وہ انگریزی جانتے ہوتے تو کیا کچھ اسلام کی خدمت کرسکتے تھے، اس لئے ''من نہ کردم شما حذر بکنید،، کے اصول پر وہ چاہتے تھے کہ علماء ایسے ہوں جو اس خدمت کو بجالاسکیں۔ (حیات شبلی ص ۱۳۵ بتغیر)

انگریزی زبان دور حاضر میں ضروریات زمانہ میں آگئی ہے، اس لئے

ضرورت، آفاقیت اور شیوع کی بنا پر اس سے صرف نظر کرنا ایک غیر دانشمندانہ عمل ہوگا۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ مسلمانوں کے مسائل کی ترجمانی کے لئے انگریزی اخبار کی اشاعت ضروری سمجھتے تھے اور اس کے لئے اپنی جیسی کوشش بھی کی مگر مکمل کامیابی نہ ہوسکی۔

حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ ایک بیان میں فرماتے ہیں کہ بعض مسلمان اسٹوڈنٹ ایسے ہیں کہ اگر ان پر محنت کی جائے تو وہ دین کا بہترین کام کرنے والے بن سکتے ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ ان کو کوئی انگریزی سکھائے، اب ہمارے جو علماء یہاں سے فارغ ہوکر جارہے ہیں وہ انگریزی سے نابلد ہیں، نوجوان نسل جس پر امت کا دارومدار ہے ان کو سمجھانے کے لئے ہم کو ان کی زبان سیکھنا پڑے گا کم سے کم ہمارے پاس کچھ بچے ایسے ضرور ہوں جو بہترین انگریزی جانتے ہوں، خصوصا وہ لوگ جن کو باہر کے ملکوں میں کام کرنا ہے کہ جہاں کی اصل زبان انگریزی ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کو اخیر عمر میں خیال ہوا جب علامہ اقبالؒ سے ان کا ربط پیدا ہوا اور علامہ اقبال نے کہا کہ نیوٹن نے فلانی چیز شائع کی ہے، تو علامہ انور شاہصاحبؒ نے فرمایا تھا کہ نیوٹن نے اپنی طرف غلط نسبت کی ہے، یہ تو ’’عراقی ،، نے لکھا ہے، علامہ اقبال کو یقین نہ آیا کہ جرمنی کا اتنا مشہور سائنس داں کہہ رہا ہے اور آپ فرما رہے ہیں کہ عراقی نے لکھا ہے، چنانچہ حضرت نے ایک مسودہ نکالا اور

علامہ اقبال کے سامنے رکھا اور کہا لو پڑھ لو یہ بات چار سو سال پہلے عراقی نے لکھ دی ہے، چنانچہ علامہ اقبال کو شاہ صاحب سے بہت عقیدت ہوگئی،اس کے بعد وہ بار بار مجلسوں میں کہتے تھے کہ فقہ کی تشکیل جدید اگر کوئی کرسکتا ہے تو وہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ ہیں،اس وقت شاہ صاحب کو یہ خیال ہوا کہ میں بھی انگریزی زبان جانتا تو ان کے دلوں میں کسی طرح بات اتارتا (بتغیر)

چمن

فلاح دارین میں چمن (Garden) بنوایا اس پر طعنہ دینے والوں نے یہ طعنہ دیا کہ یہ تو مدرسہ کو سکول بنا رہے ہیں، حضرت نے اس کا جواب یہ دیا کہ صفائی ستھرائی تو اسلام میں مطلوب ہے(حضرت ایک جگہ تحریر کرتے ہیں کہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی ایک سفر میں عصر کے بعد ''فلاح دارین،، کے چمن میں مجلس تھی، تعلیم اور تعلیمی ماحول پر گفتگو فرماتے رہے، دوران گفتگو فرمایا کہ ابن خلدونؒ علمی درسگاہوں میں ''چمن،، کو پسند نہیں فرماتے تھے اور اس کو مخل خیال فرماتے تھے بعض لوگوں نے اس کو پسند فرمایا ہے اپنے اپنے ذوق و مذاق کی بات ہے (رشد و ہدایت کے منارص ۱۱۱۔۱۱۲)

بیت الخلاء کی صفائی کا اہتمام

میں خود مدرسہ میں پڑھا ہوں اس لئے یہ بات جو میں تحریر کر رہا ہوں یہ کوئی طنز نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت ہے واقعہ یہ ہے کہ اس پر جیسی توجہ ہونی چاہئے

مدارس والے ویسی توجہ عام طور پر دیتے نہیں ہے وہ ہے بیت الخلاء کی صفائی کا اہتمام، جامعہ ہو یا دارالعلوم یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ طلباء جو ''بیت الخلاء ''استعمال کرتے ہیں اس کی صفائی کا جیسا اہتمام ہونا چاہئے ویسا ہوتا نہیں ہے، طالب علم قضائے حاجت کے لئے جاتا ہے تو یا تو گندگی اوپر نظر آرہی ہوتی ہے یا پھر یہ کہ فراغت کے بعد وہ گندگی پانی بہانے پر بھی نیچے نہیں جاتی چونکہ جانے کا جو راستہ ہوتا ہے وہ بھر چکا ہوتا ہے، نیز یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ دروازہ ٹوٹا ہوا ہے یا یہ کہ لاک بگڑا ہوا ہے یا یہ کہ ٹب میں زرد نشان نظر آرہے ہیں یا پانی کے لوٹے میں سوراخ ہو گیا ہے اور پانی ضائع ہو رہا ہے، حضرت کے دور اہتمام میں ان باتوں پر خصوصی توجہ دی جاتی تھی اور بیت الخلاء بالکل صاف شفاف ہوتے تھے۔

خود ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ جدہ سے ایک وفد بمبئی آیا تھا، بمبئی سے کہیں جاتے ہوئے انہوں نے ایک وکیل صاحب سے جو بمبئی میں رہتے ہیں کہا کہ ہم کوئی اسلامک ادارہ دیکھنا چاہتے ہیں، چنانچہ ان کا فون آیا کہ ہم ان کو آپ کے یہاں فلاح دارین لانا چاہتے ہیں، وہ آئے انہوں نے گھوم کر مدرسہ دیکھا وہ سب تعلیم یافتہ لوگ تھے، کچھ انڈونیشیا کے تھے، کچھ جدہ کے تھے اور ایک شخص تھے علی نامی جو کہ الجزائر سے تعلق رکھتے تھے، بہت ہوشیار اور ذہین آدمی تھے انہوں نے چلتے چلتے مجھ سے کہا کہ مجھے بیت الخلاء جانا ہے، میں سمجھا کہ ان کو پیشاب کرنا ہوگا، میں ان کو مہمان خانہ لے گیا، انہوں نے کہا کہ جو بیت الخلاء طلباء

استعمال کرتے ہیں مجھے وہاں جانا ہے، اب میں حیران کہ ان کو پیشاب کی حاجت ہے یا کسی اور چیز کی؟ میں ان کو بیت الخلاء کی نشاندہی کر رہا ہوں تو یہ کہتے ہے کہ طلباء کا بیت الخلاء کہاں ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟

خیر! میں ان کو وہاں لے گیا جہاں طلبہ کے لئے بیت الخلاء بنے ہوئے تھے، تعطیل کے ایام چل رہے تھے لہذا طلباء موجود نہیں تھے اس لئے وہاں تالا لگا ہوا تھا، تالا کھول دیا، ہمارے یہاں تو اہتمام تھا کہ روزانہ صبح و شام بیت الخلاء کی صفائی ہوتی تھی، کسی ٹب میں ذرا سا بھی داغ نہیں ہونا چاہئے اس کا بھی خوب خیال رکھا جاتا تھا، اس لئے میں نے بلا تکلف وہ سب بیت الخلاء ان کو بتائے، جب وہ باہر آئے تو ان کا جملہ تھا کہ ''انا لا احتاج ان اری الاماکن الاخری،، اب مجھے دوسری کسی جگہ کو دیکھنے کی حاجت نہیں، جب آپ کے یہاں بیت الخلاء اتنا صاف ہے تو اور جگہ کا حال بھی ایسا ہی ہوگا (صدائے دل بتغیر)

فلاح دارین کے اہتمام کے تعلق سے
چند اکابر کے تاثرات

مولانا محمد پانڈور صاحب سملکیؒ ''فلاح دارین،، تشریف لائے، یہاں کا نظم و نسق، کتب خانہ وغیرہ دیکھ کر مسرت کا اظہار فرمایا اور چند ماہ بعد احمد آباد کے بعض سر برآوردہ لوگوں کو لے کر تشریف لائے اور ان کو ترغیب دیتے رہے کہ احمد آباد میں اس طرح کی درسگاہ قائم کیجئے۔ (رشد و ہدایت کے منارص ۵۲ بتغیر)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ یونیورسٹی میں پڑھنے والوں کے لئے چار سالہ کورس بنا کر پڑھانے کی ضرورت ہے، اور اس کے لئے ''فلاح دارین،، کو میں مناسب جگہ سمجھتا ہوں، حضرتؒ نے جواباً عرض کیا کہ ہم اس کے لئے تیار ہیں، اتفاقاً انہی دنوں میں مولانا منظور نعمانیؒ حادثہ کا شکار ہو کر صاحب فراش ہو گئے اور ایسا کوئی نصاب و نظام بن نہ سکا (رشد وہدایت کے منار، بتغیر)

حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب مرادآبادیؒ نے ''فلاح دارین،، کا نظم دیکھ کر معائنہ بک میں بہترین تاثرات تحریر فرمائے تھے (رشد وہدایت کے منار ص۱۰۲ بتغیر)

یہ صفت احسان نہیں ہے

دارالعلوم اور چندہ یہ لازم وملزوم ہے، ان کا آپس میں ایک خاص جوڑ ہے اس میں بعض مرتبہ لینے والوں اور دینے والوں کی طرف سے بے احتیاطی بھی ہوتی ہے، حضرتؒ فرماتے تھے کہ لوگ مدرسہ والوں کو چندہ دیتے ہیں اور بدلے میں یہ چاہتے ہیں کہ ان کی بے جا باتوں کو مانا جائے، چنانچہ کسی بچے کو داخلہ کے لئے بے وقت لائیں گے اور داخلہ نہ ہونے کی صورت میں دھمکی دیں گے کہ آئندہ ہماری بستی یا ہمارے پاس چندہ لینے آؤ گے تو ہم تمہیں دیکھ لیں گے، نیز فرمایا کہ ایک شخص مجھ سے بھی اسی طرح الجھ پڑا تھا کہ آپ کے آدمی ہمارے پاس چندہ لینے آتے ہیں

اب کیسے آتے ہیں ہم دیکھ لیں گے، میں نے کہا خدا کا شکر ہے ہمارے مدرسہ کا تو آج تک چندہ ہوا ہی نہیں، آپ یہ کیا بات کر رہے ہیں؟ کہا نہیں، نہیں، آپ کا سفیر آیا تھا، میں نے کہا آج تک ہم نے کوئی سفیر نہیں رکھا، وہ تو کچھ اللہ کے بندوں نے اپنے ذمہ خرچہ لے رکھا ہے ورنہ ایک پیسہ کا چندہ نہیں ہوتا، ہاں! البتہ کوئی آدمی مدرسہ میں آکر اپنے طور پر یہ کہتا ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ طلباء کے لئے کچھ دعوت کردیں یا اور کچھ، تو ہم کہتے ہیں بہت اچھا! آپ رقم دے جائیں، ورنہ کبھی چندہ کے لئے ہمارے سفیر نہیں گئے، پھر بھی وہ مجھ پر دھونس جمارہا تھا، پھر میں نے کہا کہ اللہ کے بندے! اگر مان لو کہ تم نے ہمارے مدرسہ میں چندہ دیا تھا تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے ضابطہ کو تمہارے چندہ کی وجہ سے توڑ دیں، تو کچھ لوگ پیسے دے کر ہم کو غلام بنانا چاہتے ہیں، یہ صفت احسان نہیں ہے (صدائے دل ج۲ص۱۰۸ بتغیر) بعض مرتبہ مدارس والے چندہ دہندگان کے دباؤ میں آکر اپنے اصول وضوابط کے خلاف جو کام کرتے ہیں، یہ ٹھیک نہیں ہے۔

تصنیف وتالیف

رہتا قلم سے نام زمانے تلک ہے ذوق
اولاد سے تو ہے یہی دو پشت چار پشت

حضرتؒ نے جہاں وعظ وتقریر کے ذریعہ دین متین کی خدمت کی وہیں پر آپ نے تحریر کے ذریعہ بھی دین کی خدمت کو انجام دیا ہے، آپ نے چند کتابیں

اوراپنا سفرنامہ تحریر فرمایا ہے، دونوں ہی چیزیں پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔

کہتے ہیں کہ تحریر کی عمر سینکڑوں سال ہوتی ہے اور تحریر کا فیض تقریر کے فیض سے زیادہ ہوتا ہے، ان تالیفات میں بطور خاص ''دیوان امام شافعیؒ،، ایک بہترین تالیف ہے، یہ ایک پوشیدہ خزانہ تھا جسے حضرت منظر عام پر لے آئے تھے اب بآسانی اس سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

''صدائے دل،، سے متعلق چند باتیں

''صدائے دل،، حضرتؒ کے وعظ ونصیحت کا ایک بہترین مجموعہ ہے۔

وعظ ایسی باتوں سے نصیحت کرنے کو کہتے ہیں جو دل کو نرم کردیں، اسی طرح اس تنبیہ کو کہتے ہیں جس میں ڈرانا بھی ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو وعظ ونصیحت فرمائی اور اعمال کے انجام کار سے متنبہ فرمایا، وعظ ونصیحت ایک مفید ومؤثر چیز ہے کہ انسان خواب غفلت سے بیدار رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے خوش بخت وہ ہے جو دوسرے سے نصیحت حاصل کرے۔

آپ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے اس مسند رشد وہدایت کو سنبھالا چنانچہ خلفاء اربعہ اور دوسرے صحابہ سے کثرت سے مواعظ منقول ہیں، اس کے مؤثر ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بعض اوقات انسان خود قرآن وحدیث سے سرسری طور پر گذر جاتا ہے، سن لیتا ہے اور اس کا ذہن اسے عملی طور پر اپنانے کی طرف نہیں

جاتا یا جس نکتہ پر تنبیہ مقصود ہوتی ہے اس کی طرف اس کی رسائی نہیں ہوتی لیکن جب کسی سے یہ باتیں سنتا ہے اوران نکات کی طرف رسائی ہوتی ہے تو عمل آسان ہوجاتا ہے۔

علماء نے صحابہ اور بعد میں آنے والوں کے مواعظ نسل درنسل محفوظ رکھے اورافادۂ عام کے لئے انہیں کتابی شکل میں محفوظ بھی کیا۔

حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ تحریر کرتے ہیں کہ ذہن وفکر کی تعمیر،اخلاق کی درستی،کردار کی پاکیزگی،اصلاح حال اور سماج کے سدھار میں جہاں اورعوامل کارفرماہیں،ان میں سے ایک اہم عمل ''تقریر وخطابت اور تذکیر و موعظت ،،کا ہے،دل کی دنیا کو بدلنے،دماغ کو نور معرفت سے بھرنے اور''شر،،سے''خیر،،کی طرف لانے میں اس نے جوکردارادا کیا ہے اس کی ایک مستقل تاریخ ہے۔

حضرتؒ کے مواعظ کا مجموعہ بنام''صدائے دل،،چھپ کر منظرعام پرآچکا ہے،اورعلمی حلقوں میں خوب پسند کیا گیا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب تحریر کرتے ہیں کہ دنیا کے مختلف ممالک میں اپنے مواعظ اور علمی واصلاحی مجالس سے طلبہ وعلمائے کرام اور علمی ودینی حلقوں کواپنے دردبھرے دل اورمیٹھی زبان سے فیضیاب کررہے ہیں،صدائے دل آپ کے دردبھرے دل کی آواز ہے،آپ نے انڈیا،یورپ،امریکہ کینیڈا،افریقہ و

ایشیا میں مسلم معاشرے کے جن رستے ہوئے زخموں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا،نوجوانوں میں،علمی حلقوں میں،عوام میں، گھروں میں اور بازاروں میں مسلمانوں کوجس بے راہ روی کا شکار دیکھا ان کا حکیمانہ علاج اپنی تقریروں میں اور مجلسوں میں تجویز کیا''اسی کا نام''صدائے دل،، ہے(بتغیر)

فقیہ النفس شارح حجۃ اللہ البالغۃ شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوریؒ تحریر کرتے ہیں کہ''مشک آنست کہ خود ببوید، نہ کہ عطار بگوید،،مشک کی پہچان یہ ہے کہ خود مہکے عطار کی مدح سرائی کی اس کو حاجت نہیں،''حاجت مشاطہ نیست روئے دلارام را،،دل پسند محبوب کوٹیپ ٹاپ کی ضرورت نہیں اور''ہر چہ از دل خیزد، بر دل ریزد،،کا مصداق ہے ۔

جو بات دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

میں نے''صدائے دل،، کے بعض مضامین پڑھے تو دل باغ باغ ہو گیا، کبھی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے اور جہاں مولانا نے قوم کی بے حسی کی منظر کشی کی تو وہاں مقرر''منذر جیش،،معلوم ہوتا ہے،آپ کے الفاظ جذبات کی پیکر تصویر بن جاتے ہیں اور جگہ جگہ علمی نکات، بزرگوں کے ارشادات، یورپ کی نقاہت بیان کی ہے جس سے لذت سخن دوبالا ہوگئی ہے(بتغیر)

واقعۃً اللہ تعالی نے آپ کوحسن بیان کی خوبیوں سے خوب نوازا تھا،آپ

کے سحر آفریں، دل آویز، حلم ووقار سے لبریز، خطابات کو عوام وخواص بہت شوق سے سنتے ہیں، تعلیم یافتہ طبقہ میں بھی آپ اپنی افہام وتفہیم، اور حکیمانہ اسلوب بیان کی وجہ سے خاص ممتاز ومقبول ہیں، بیان میں بظاہر نہ جوش وخروش ہوتا ہے، نہ پر تکلف لسانی، نہ لہجہ وترنم، نہ خطیبانہ ادائیں مگر اس کے باوجود خطابات اس قدر مؤثر اور مسحور کن ہوتے ہیں کہ ان سے عوام وخواص یکساں طور پر مستفید ہوتے ہیں۔

حضرتؒ کے بیان کی ایک خوبی یہ تھی کہ بیان میں طعن وتشنیع نہیں کرتے تھے بلکہ نرمی اور محبت سے سمجھاتے تھے، واقعہ یہ ہے کہ جو بیان طعن وتشنیع سے بھرا ہوتا ہے وہ دل پر اثر انداز نہیں ہوتا، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے تھے کہ اقبال کی شاعری جتنی مؤثر ہوئی اور اس سے جتنا فائدہ پہنچا، اکبر مرحوم کی شاعری اس درجہ مؤثر نہیں ہوئی، میرے نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ اکبر مرحوم نے اپنے خیالات کے اظہار کے لئے ''طنز وتعریض،، کا طریقہ اختیار کیا اور طنز کی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے ہم خیال لوگ لطف تو محسوس کرتے ہیں لیکن اس سے کوئی مؤثر اصلاحی کام نہیں ہوتا (معارف مفتی اعظم ص ۲۵۲)

صدائے دل،، کی چند خوبیاں

(۱) جو بیان جہاں کہیں ہوا ہے وہاں کے مناسب حال باتیں کہی گئی ہیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ حضرت بیان اور تقریر سے پہلے وہاں کے حالات کو اخبار اور لوگوں کے رہن سہن سے خوب محسوس فرمالیتے تھے، مثال کے طور پر لیسٹر یو۔کے

کے بیان میں فرماتے ہیں کہ ہمارا جو یہاں نصاب تعلیم ہے اس پر غور کریں عامۃً گیارہ بارہ سال کی عمر میں بچے کو بالکل فارغ کر کے چھوڑ دیا جاتا ہے، اکثر سمجھنے کی عمر بارہ سال سے لے کر سولہ سترہ سال کی ہوتی ہے، یہ جو مدت ہے اس میں ان کو کنٹرول کرنے کی ضرورت ہے، اس کے لئے میں آپ علماء کرام سے درخواست کرتا ہوں کہ ایک کمیٹی بنائیں اور غور وفکر کریں کہ نصاب میں یکسانیت کیسے ہو، یہاں تو یہ حال ہے کہ اگر لیسٹر کے اندر چھ مسجدوں میں مکتب چل رہے ہیں تو ہر ایک کا نصاب الگ الگ ہے، ایک مسجد کا بچہ دوسری مسجد میں جائے گا تو وہ کیا پڑھ سکے گا، اس کو ایڈجسٹ کرنا مشکل ہوتا ہے، یہ کیسی بد نظمی کی بات ہے، ہم متفقہ طور پر اپنا ایک نصاب بنائیں، اور نصاب کو پھیلا کر سولہ سترہ سال تک کر دیں کہ ہمارے بچے سولہ سترہ سال تک کم از کم ایک ایک پیریڈ بھی عالم کے پاس آ کر بیٹھیں یہ جو بارہ سال سے لے کر سولہ سال تک کا وقت گذرتا ہے اس میں وہ دین سے بالکل ہٹ جاتا ہے، لہذا حکمت عملی اس میں ہے کہ نصاب ایک ہو اور اس کو دراز کیا جائے (صدائے دل ج۱ص۳۶، ۳۷)

بندے کو بھی بعض ایسے بچوں کو پڑھانے کا اتفاق ہوا کہ جنہوں نے بارہ تیرہ سال کی عمر میں مکتب چھوڑ دیا تھا، والدین نے دوبارہ پندرہ سولہ سال کی عمر میں پڑھنے بھیجا، ان سے جب میں نے التحیات اور درود شریف پڑھایا تو وہ بھی صحیح طرح یاد نہیں تھا، جو بچے تیرہ چودہ سال کی عمر میں مکتب چھوڑ دیتے ہیں ان کے

سکول کے بعد کا ٹائم فارغ ہوتا ہے تو وہ غلط صحبت میں چلے جاتے ہیں اور کلب، ڈرگ، نشہ وغیرہ کرنے لگ گئے، کاش کہ مساجد و مدارس کی انتظامیہ حضرت کے اس مفید مشورہ پر صرف غور نہیں بلکہ حکمت عملی تیار کر کے عمل شروع کریں۔

یہی مسئلہ لڑکیوں کا بھی ہے کہ ان کو بارہ تیرہ سال کے بعد مدرسہ سے فارغ کر دیا جاتا ہے اور وہ بھی پھر نہ قرآن کریم پڑھتی ہیں اور نہ ان کو مکتب میں یاد کی ہوئی دعائیں اور سورتیں صحیح طرح یاد ہوتی ہیں، کاش! کہ مساجد و مدارس کی انتظامیہ اپنی آپسی رسّا کشی چھوڑ کر یہ جو کرنے کے کام ہیں اس کی طرف دھیان دیں۔

دوسری مثال برطانیہ میں علماء کی مجلس میں کی گئی ایک تقریر میں فرمایا کہ میں جنگ اخبار دیکھ رہا تھا تو اس میں کسی صاحب کا مضمون تھا کہ یہاں علماء کے اختلاف کی وجہ سے بہت نقصان پہنچا ہے، یہ چاند کے مسئلہ کا اختلاف ایسا ہے کہ ہمیں سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم کس کی اقتداء کریں، ایک مولوی یہ کہہ رہا ہے دوسرا مولوی یہ کہہ رہا ہے، قاضی مجاہد الاسلام صاحب اور دیگر علماء بھی تشریف فرما تھے تو قاضی صاحب نے فرمایا کہ اس کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے اس سلسلہ میں خیالات الگ الگ ہیں ان کو ایک جگہ جمع کیا جائے اور ہند و پاک سے علم ہیئت کے ماہرین کو بلایا جائے تمام لوگ اپنی اپنی آراء ان حضرات کے سامنے رکھے، اور مختلف نشستوں میں بحث وتمحیص کی جائے اور پھر ان ماہرین سے

دلائل طلب کر کے ایک فیصلہ کرلیا جائے جو پورے یو، کے میں لاگو ہوا گراس طرح سے کام کریں گے تو مسئلہ حل ہوسکتا ہے، لیکن آدمی تھوڑی سی اپنی انا کو چھوڑ دے اس کے لئے ضرورت ہے تزکیہ کی، علم کے ساتھ تزکیہ کی ضرورت ہے وہ اس لئے ہے کہ آدمی کی انا علمی مسئلوں میں نہ رہے اور یہ سوچ کہ امت کا فائدہ کس چیز میں ہے ،مولانا تقی صاحب (دامت برکاتہم) نے تو بڑی اصولی بات کہی ہے کہ مسائل دو قسم کے ہیں، منصوص اور مجتہد فیہ، منصوص مسائل میں تاویل کی گنجائش نہیں ہوتی، اس میں تو آپ تصلب اختیار کریں، آپ اپنے موقف پر مضبوط جمے رہیں، لیکن جو مجتہد فیہ مسائل ہیں ان میں زبردستی نہیں ہوتی، ان میں آپ اصرار نہ کریں، اس میں یہ دیکھے کہ امت کے عمومی مسائل کا حل کس چیز میں ہے، میرے بھائیو! یہ بات یہاں کے مقامی علماء کو سمجھ آجائے تو ان شاء اللہ بہت سے فتنے دور ہو جائیں گے، میں نے محسوس کیا ہے کہ ہم چھوٹے چھوٹے مسائل کی وجہ سے ایک دوسرے سے دور ہو جاتے ہیں، کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہوتی لیکن ہم ایک دوسرے سے دور کھڑے ہیں، علماء امت کا ایک دوسرے سے دور ہونا ایک دوسرے کے خلاف باتیں کرنا امت کے لئے بالکل سم قاتل ہے، یہ زہر امت کو تباہ و برباد کر رہا ہے، چونکہ اللہ تعالی نے علماء دین ہی کو مقتدیٰ بنایا ہے، یہی وہ حضرات ہیں جن کے ذریعہ امت کو روشنی مل سکتی ہے، کاش! اس مشورہ پر عمل کی نیت سے کوشش شروع کی جائے۔

(۲) جگہ جگہ مسلمانوں کی بے حسی اور غفلت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

(۳) صرف مرض کی نشاندہی ہی نہیں کی گئی ہے بلکہ اس کا علاج بھی بتایا گیا ہے۔

(۴) زبان بالکل سادہ ہے کہ جو بات کہی جائے وہ سامعین کو سمجھ آجائے، اس کی وجہ شاید ایک واقعہ ہے جو حضرت نے اپنے ایک بیان میں بیان فرمایا ہے، فرماتے ہیں کہ جب میں ڈابھیل جامعہ میں پڑھتا تھا تو مجھے مولانا آزاد کی کتابیں دیکھنے کا بڑا شوق تھا، اس زمانہ میں مولانا آزاد کے جملے میرے دماغ میں نقش ہو گئے تھے، جب کبھی دیہاتوں میں مولانا عبدالجبار صاحب کے ساتھ جاتا تھا تو تقریر میں وہی الفاظ منہ سے نکلتے تھے، میرے ایک رشتہ دار ریٹائرڈ مجسٹریٹ تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ بھائی! تم جب گاؤں میں تقریر کرو تو ابوالکلام کی زبان مت بولا کرو، اس لئے کہ دیہات کے لوگ مولانا ابوالکلام آزاد کی زبان نہیں سمجھتے، لہذا جب گاؤں میں آکر تم تقریر کرو تو سیدھی سادی اردو بولا کرو اس لئے کہ یہ لوگ ابوالکلام کی زبان نہیں سمجھ سکتے، تو مجھے تنبہ ہوا میں نے کہا کہ واقعی یہ میری غلطی ہے کہ میں ایسی زبان استعمال کرتا ہوں (صدائے دل ج ۱ ص ۲۱۹، ۲۱۸ بتغیر)

(۵) صرف کتابی باتیں بیان نہیں کی گئی ہیں بلکہ کتاب زندگی کے تجربات بھی بیان کئے گئے ہے۔

(۶) علماء وطلباء کے مجمع میں جو وعظ ہوا ہے اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ اور نشاندہی کی گئی ہے کہ کونسی کتابیں پڑھنی چاہیے، کس مصنف کو پڑھنا

چاہئے، نیز مصنف کی خوبی اور بعض اچھی کتابوں کے نام بھی بتائے گئے ہیں۔

(۷) جگہ جگہ بات کو سمجھانے کے لئے بزرگوں کے واقعات کا سہارا لیا گیا ہے۔

(۸) ایک مسلمان کو چاہے حالات کتنے ہی سنگین ہو اللہ تعالی کی ذات سے ناامید نہیں ہونا چاہئے، مناسب حال اسباب کو اختیار کرتے ہوئے ہمیشہ اللہ تعالی کی ذات سے پرامید رہنا چاہئے۔

(۹) بزرگوں کے دامن سے ہمیشہ وابستگی رہنی اور رکھنی چاہئے۔

(۱۰) زمانے کے حالات اور اس پر مطلع ہونے کے جو اسباب ہیں ان کو اختیار کرنا چاہئے اس بات کو بھی مختلف انداز سے موقع بموقع بیان کیا گیا ہے۔

آج کے دور میں کام کیسے کیا جائے، اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس دور میں کام کرنے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ہم اسٹیج پر بیٹھے اور وہاں زور زور سے تقریر کریں، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہم خاموشی سے کام کریں، اس دور میں ہنگامہ آرائی سے ناکامی ہوتی ہے۔

(۱۱) احساس کمتری کا شکار نہیں ہونا چاہئے، احساس برتری ہونا چاہئے۔

(۱۲) بیان کا انداز بالکل ناصحانہ ہے، نہ طعن و تشنیع اور نہ غیض و غضب بلکہ واقعی ''صدائے دل،، ہے، اپنا پن ہے جو دلوں کو جھنجوڑتا ہے اور باتیں خود بخود سامعین کے دلوں میں اثر اور گھر کرتی چلی جاتی ہیں۔

بیانات کا یہ مجموعہ صرف ''صدائے دل،،ہی نہیں بلکہ ''دوائے دل،،بھی ہے اور بقول حضرت کے وعظ ''ایک دوا،، ہے،فرمایا کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وعظ ایسا ہونا چاہئے کہ اس میں اچھے اشعار پڑھے جائیں، وعظ تو وہ ہوتا ہے جو کڑوا ہو یہ تو دوا ہے،حضرت کے بیانات کا یہ مجموعہ واقعی ''امت کے مرض کی دوا،، ہے(بتغیر)

ایک جگہ فرمایا کہ وعظ وہ نہیں ہوتا ہے جو قوم کے مزاج کو دیکھے کہ یہاں فلانے قصے بیان کریں گے،اشعار پڑھیں گے تو لوگ بہت خوش ہوں گے کہ ماشاء اللہ بڑی زبردست تقریر کی مولانا نے ،ہم تو یہ کہتے ہیں کہ قوموں کے جو امراض ہیں ان پر انگلی رکھو کہ ہم غلط راستہ پر جارہے ہیں،ہمیں واپس آنا ہے اسلام کی طرف ہمیں واپس آنا ہے صحابۂ کرام کی سیرت کی طرف۔

ثمرہ

اللہ تعالی نے حضرت کو جن ظاہری و باطنی خوبیوں سے نوازا ہے وہ اپنے بزرگوں سے گہرے تعلق کا ثمرہ ہے۔

توازن واعتدال

آپ کا ایک خاص وصف علم وعمل کی جامعیت اور توازن واعتدال تھا۔

دینی غیرت وحمیت

ایک خاص صفت، دینی غیرت وحمیت تھی ،خدا کے دین کو نقصان پہنچتا دیکھ کر تڑپ جاتے تھے اور کچھ کرنے کے لئے بے چین ہو جاتے تھے،اس کی ایک

مثال پیش خدمت ہے۔

ابھی جو حکومت زیر اقتدار ہے اس کی زیر نگرانی ہی کہا جائے گا ایک تحریک شروع کی گئی تھی جس کو ’’گھر واپسی،، کا نام دیا گیا تھا، اسی طرح کچھ ایسی باتیں سرکاری اسکول میں شروع کرنے کا وہ سوچ رہے تھے جو اسلام مخالف اور مشرکانہ عمل تھا جو مسلمانوں کے عقیدوں کے بالکل خلاف تھا، حضرت نے اس کے لئے خود بھی چند مقامات پر بیانات کئے اور مسلمانوں کو بروقت اس سے آگاہ کیا، نیز دیگر علماء سے بھی گذارش کی کہ وہ اپنے اپنے طور پر اس فتنہ سے مسلمانوں کو آگاہ کریں اور اس کے لئے علماء کرام کی خصوصی مجلس کا بھی انعقاد کیا اور اس سے کیسے نمٹا جائے اس پر سوچ بچار کیا گیا۔

چند اوصاف حمیدہ کا اجمالی ذکر

حضرتؒ حکمت دین سے واقف، صاحب فہم وبصیرت اور مدبر عالم، قوم کے دردمند مصلح اور ملت کے ہمدرد، زمانہ کے نبض شناس، وقت کے تقاضوں اور حالات سے باخبر رہنے والے عالم دین تھے۔

کتابوں کی بہت سی عبارتیں اور اہم قطعات زبانی یاد ہوتے ہیں

آپ کو عربی واردو کتب کی اہم عبارتیں اہم قطعات اور اشعار زبانی یاد تھے، بیان وتقریر میں عند الضرورت بلا جھجک اور بلا تکلف پڑھتے اور سناتے

تھے،اس کی وجہ شاید مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ کے بتائے ہوئے طریق پر آپ کا مطالعہ ہے، حضرت خود ایک جگہ فرماتے ہیں کہ مفکر اسلام مولانا علی میاں ندویؒ فرماتے تھے کہ جب بھی کوئی کتاب پڑھے اور اس میں اچھے اچھے مضامین ہوں تو اس کو اتنی مرتبہ پڑھو کہ اس کی عبارتیں ذہن میں نقش ہوجائیں، مفکر اسلام خود کے متعلق فرماتے تھے کہ میں نے احمد امین کی کتاب ''فجر الاسلام،، ضحیٰ الاسلام،، ظہر الاسلام کو اتنا پڑھا ہے کہ ان کے صفحے کے صفحے میرے ذہن میں محفوظ ہوگئے تھے، ایک اور مجلس میں فرمایا کہ میں نے ان کتابوں کو پڑھا ہی نہیں بلکہ چاٹا ہے، ہمارے بچوں کی ایک کمزوری یہ ہے کہ وہ ''محفوظات،، کی طرف دھیان نہیں دیتے، عربی کے نثر اور نظم کے جتنے اچھے قطعات ہیں انہیں عربی اول سے ہی یاد کرنا چاہئے، عمدہ قسم کے اشعار، عمدہ قسم کے قطعات ہمارے ذخیرۂ حفظ میں ہونے چاہئے، عرب ممالک میں تو ''محفوظات،، کی کتابوں کا بہت رواج ہے۔

علمی لگن

حضرت رحمہ اللہ کو ہمیشہ کچھ نیا سیکھنے کی دھن رہتی تھی۔

دو واقعات۔ سفر ''قطر،، کے دوران جمعہ کی نماز کے لئے حضرت کا ایک مسجد میں جانا ہوا اس موقعہ پر امام صاحب نے طویل خطبہ پڑھا خطبہ کے اخیر میں یوں فرمایا ''وللحديث بقية، وان شاء الله ساقدم فى الجمعة القادمة بشرط

البقاء و اللقاء ،،ان کا یہ خوبصورت جملہ مجھے بہت اچھا لگا میں نے فوراً اسے اپنے نہاں خانۂ دماغ میں محفوظ کرلیا۔

بمبئی میں حضرت کی مصریوں کے''المرکز الثقافی المصری،، حاضری ہوئی، حضرت ''غرفة الاستقبال ،، میں داخل ہوئے جہاں مصری خاتون تشریف رکھتی تھیں حضرت نے ان سے کہا''السلام علیکم،انا من طلبة العلم،جئت هنا لاستفید من مکتبتکم ،انہوں نے فوراً کہا''اهلا و سهلا ،،اور ایک نوکر کو آواز دی اور کہا'' محمد!تعال ،، یہ سن کر وہ جلدی سے آیا اس نے چابی نکالی محمد کو دی اور کہا''خذ المفتاح و فرج باب المکتبة ،، یہ سن کر میں سوچنے لگا اوہو! ہم نے تو پہلے کبھی یہ تعبیر نہیں سنی تھی ہم تو ''فـــــرج،، کی جگہ ''افتح ،، ہی بولتے چلے آرہے ہیں۔

ذوقِ مطالعہ

علم میں پختگی اور علمی استحضار کے لئے مطالعہ بہت ضروری ہوتا ہے، علمی اعتبار سے جتنی بھی بڑی شخصیات گذری ہیں انہوں نے مطالعہ پر مواظبت فرمائی ہے، حضرتؒ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ چند کتابیں پڑھ کر یا پانچ سال، آٹھ سال پڑھ کر اپنے آپ کو عالم نہ سمجھیں علم ایک بہت وسیع دریا ہے جو آٹھ سال میں طے نہیں ہوا کرتا، یہ درس نظامی جو مدرسوں میں پڑھایا جاتا ہے اس کا مقصد تو صرف یہ ہے کہ ہمارے اکابر نے جو کتابیں لکھی ہیں ہم انہیں سمجھنے اور حل کرنے کے قابل

ہوجائیں،علم کا دروازہ تو اس کے بعد کھلنا شروع ہوتا ہے، وہ بھی اس وقت جب مطالعہ پر مواظبت رہے،اسی لئے سند میں ایک بات یہ لکھی ہوتی ہے کہ"ان استمر علی المطالعة ،،اگر یہ طالب علم مطالعہ پر مداومت کرے گا تو اس سے ہم یہ امید کرتے ہیں کہ یہ دین کا اچھا کام کرے گا،معلوم ہوا کہ ہر عالم کے لئے اہتمام کے ساتھ مطالعہ بہت ضروری ہے تبھی علم تازہ و مستحضر رہتا ہے اور علم میں وسعت ،عمق اور گہرائی پیدا ہوتی ہے، حضرت فرماتے تھے کہ میں روزانہ کتابیں پڑھتا ہوں،کبھی چالیس صفحے پڑھ لئے کبھی پچاس صفحے پڑھ لئے ، نیز فرمایا کہ جب تک ہم زندہ ہیں ہم طالب علم ہیں اگر آدمی اپنے آپ کو مرتے دم تک طالب علم نہ سمجھے تو وہ علم حاصل نہیں کرسکتا۔

پاکیزہ ذوق

حضرت نے دنیا کی خوب سیر کی ہے،مختلف ممالک کا سفر کیا ہے اور سفر بھی برائے سفر نہیں بلکہ اس میں بھی دین کی خدمت کا پہلو غالب رہا ہے، اسفار میں حضرت والا کی ایک عادت یہ تھی کہ آپ جس کسی ملک میں تشریف لے جاتے وہاں کی لائبریری میں حاضری ضرور دیتے تھے،حضرت نے جن لائبریریوں کو دیکھا ہے ان کا ذکر اپنے بیانات اور سفر نامہ میں بھی کیا ہے جس سے وہاں کے رہنے والے علماء اور علم کے قدردانوں کے لئے علمی استفادہ کرنا آسان ہو گیا ہے، نیز لائبریری کے تعلق سے مسلمانوں کو کیا کام کرنا چاہئے اس بارے میں بھی راہنمائی

کی ہے، کاش! اس طرف بھی ویسی ہی توجہ دی جائے جیسی توجہ دینے کی ضرورت ہے، آپ نے ایسی لائبریری کا ذکر بھی کیا ہے کہ جس میں اسلامیات کے نام پر نبوت پرڈاکہ ڈالنے والوں کی کتابیں رکھی گئی ہیں، افسوس اور سوچنے کی بات یہ بھی ہے کہ اس کی طرف توجہ ایک مسافر شخص دلا رہا ہے مقامی علماء کیا کررہے ہیں؟ یہ کچھ کرنے کے کام ہیں جن کی طرف سے مکمل بے اعتنائی اور بے توجہی برتی جارہی ہے، علماء کا ایک طبقہ یا تو بالکل سست بیٹھا ہے یا پھر جزئی مسائل کے اختلاف میں ہی الجھا ہوا ہے، حضرت والا نے تو نشاندہی کردی ہے اب کام کو پورا کرنا اور اس پر دھیان دینا مقامی علماء کا کام ہے کہ وہ اپنے یہاں کی لائبیریریوں میں جاکر اسلامیات کا شعبہ اور اس میں رکھی ہوئی کتابوں کا معائنہ کریں اور کرتے رہے اور اچھی اور مفید کتابیں وہاں رکھیں اور رکھوائیں۔

علمی استفادہ

حصول علم میں شرم سے کام نہیں چلتا اس لئے حصول علم میں شرم محسوس نہیں کرنی چاہئے، جو طالب علم کے حصول میں شرم سے کام لیتا ہے وہ علوم سے محروم رہ جاتا ہے، کہتے ہیں کہ ''**حسن السوال نصف العلم**،، اچھا سوال نصف علم ہے، حضرتؒ کسی بات کو اپنے شاگرد سے پوچھنے میں بھی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔

ایک مثال۔ حضرتؒ نے کسی کتاب میں پڑھا کہ اللہ تعالی کی تجلی سیاہ ہے،

یہ بات حضرت کی سمجھ میں نہیں آئی، چنانچہ آپ نے اپنے شاگرد مولانا ابراراحمد دھلیویؒ سے اس کے متعلق سوال کیا، مولانا ابراراحمد صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ اصل میں یوں نہیں ہے بلکہ جتنے رنگ ہیں، کلرز ہیں ان تمام رنگوں کے ختم پر ایک ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ اس کو رنگ سے تعبیر نہیں کرسکتے تو وہاں لکھ دیتے ہیں سیاہ، حالانکہ وہ حقیقۃً سیاہ بھی نہیں ہے، پھر میں نے حضرت سے ایک واقعہ ذکر کیا کہ شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتیؒ اور سید احمد بریلویؒ یہ دو بزرگ شخصیتیں گذری ہیں، مشائخ نے دیکھا کہ شاہ عبدالرحیمؒ کی جو نسبت ہے اس کے انوار بہت ہیں، مگر سید احمد بریلویؒ کی نسبت میں بالکل انوار نظر نہیں آئے، لوگ کہنے لگے کہ شاہ عبدالرحیمؒ کی نسبت سید احمد بریلویؒ کی نسبت سے اعلی ہے، حاجی امداداللہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ مشائخ کے فیصلے میں غلطی ہوئی ہے، وجہ یہ ہے کہ جہاں انوار ہے وہ ظہور کا درجہ ہے اور سید صاحب مراتب ظہور کو ختم کرکے آگے پہنچے ہوئے تھے کہ جہاں پر کوئی رنگ ہی نظر نہیں آرہا ہے، چونکہ انوار کے کلرز ہوتے ہیں اس لئے انوار کی بھی قسمیں لکھی ہیں، تو یہ جہاں ختم ہوتے ہیں وہاں اس کی تعبیر وتفہیم کے لئے کہہ دیتے ہیں کہ کوئی رنگ نہیں ہے، تو بس ایسا جیسا تاریک معلوم ہوتا ہے، تو اس کو سیاہ سے موسوم کردیتے ہیں حالانکہ وہ حقیقۃً سیاہ نہیں ہے، تو میں نے کہا کہ یہی وہ گہری حقیقت ہے کہ بیت اللہ کے لئے غلاف کا جو رنگ تجویز کیا گیا وہ سیاہ کیا گیا ہے کہ سیاہ رنگ پر کوئی رنگ غالب نہیں آتا، یہ تمکین اور استقامت کی طرف اشارہ

ہے، تمکین یعنی ایسی کیفیت جو اور رنگ کو اپنے اندر نہ لے سکے، حضرتؒ نے جب یہ جواب سنا تو بہت خوش ہوئے۔

تحقیق کا مزاج

شریعت اسلامیہ کی تعلیم یہ ہے کہ کوئی آدمی آکر ہمیں یہ کہے کہ فلاں آدمی یا فلاں جماعت تمہارے بارے میں یہ باتیں کرر ہے تھے، تو بات کو سن کر فوراً اس کی بات پر ایمان نہیں لے آنا ہے بلکہ تحقیق کرنی چاہئے کہ بات سچ ہے یا جھوٹ؟ گر سچ بھی ہے تو کتنا سچ ہے اور کتنا جھوٹ، ہم میں سے بہت سے لوگ سنی سنائی باتوں پر ایمان لے آتے ہیں پھر یہی چیز بہت سے مفاسد کا سبب بنتی ہے، حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحبؒ فرماتے تھے کہ تحقیق تفریق سے بچاتی ہے، حضرتؒ کا مزاج بات کی تحقیق کرنے کا تھا۔

ایک واقعہ۔ حضرت مولانا ابرار احمد صاحب دھلیویؒ فرماتے ہیں کہ ترکیسر میں نئی نگری مسجد کا افتتاح تھا ایک صاحب مجھے دعوت دینے کے لئے میرے پاس حاضر ہوئے کہ ہم آپ سے مسجد کا افتتاح کرانا چاہتے ہیں، اس پر میں نے کہا کہ یہاں پر بڑے بڑے علماء موجود ہیں میں تو ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہوں آپ ان سے مسجد کا افتتاح کرالیجئے، وہ کہنے لگے کہ نہیں! آپ کو ہی آنا ہوگا وہ لوگ بھی آئیں گے، میں نے پوچھا کہ کون کون آنے والا ہے؟ بتایا گیا کہ مولانا عبداللہ، مفتی احمد بیمات، مولانا شیر علی وغیرہ، میں نے کہا یہ بڑے لوگ ہے ہم تو بس ایسے

ہی ہیں، ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے،ان حضرات کی موجودگی میں افتتاح کرنا میں ادب کے خلاف سمجھتا ہوں، اپنے بڑوں کا ادب کرتا ہوں،تم ہمیں بڑا سمجھتے ہو وہ تمہاری محبت کی بات ہے،مگر یہ ہمارے بڑے ہیں ہم ان کا لحاظ کرتے ہیں، چنانچہ بات پوری ہوگئی ،اب انہوں نے بستی میں دوسرے لوگوں سے یہ کہنا شروع کیا کہ مولوی لوگوں میں کتنا اختلاف ہے!لوگ پوچھنے لگے کہ کیا ہوا؟ بتایا کہ مولوی ابرار ایسا کہتے ہیں کہ جہاں مفتی احمد بیمات یا مولانا عبداللہ صاحب ہوں میں وہاں نہیں آؤں گا مبات کو بالکل الٹا کردیا، یہ بات مولانا عبداللہ صاحب تک بھی پہنچی، عشاء کی نماز کے بعد میری چہل قدمی کی عادت ہے، میں چہل قدمی کے لئے نکلا تو راستہ میں مولانا عبداللہ صاحب سے ملاقات ہوگئی ،حضرت مسکراتے ہوئے مجھ سے کہنے لگے کیا بات ہوئی ؟ میں نے بھی یہی سوال دہرایا تو انہوں نے یہ صورت حال سنائی، میں نے کہا اچھا! آپ نے یہ سنا اور صورت حال یہ ہے،تو کہنے لگے کہ آپ کے بارے میں میرا یہی گمان تھا کہ آپ نے یہی کہا ہوگا لیکن لوگ اس طرح مرچ مسالہ لگا کر پیش کرتے ہیں۔

دونوں بزرگوں کے آپسی تعلقات بہت اچھے تھے اس تعلق سے دو چار باتیں پیش خدمت ہے۔

(۱) حضرتؒ فرماتے تھے کہ احباب جب مجھ سے مولانا ابرار احمد کی خیر خیریت دریافت کرتے تو میں کہتا کہ ’’ان الابرار لفی نعیم،،

(۲)خطیب الامتؒ ایک مرتبہ درسگاہ سے نکل کر گھر جارہے تھے راستہ میں حضرت سے ملاقات ہوگئی، حضرت کے ہاتھ میں پوسٹ کارڈ تھا، بارش کا موسم تھا، پوسٹ کارڈ میں جو مضمون لکھا تھا وہ باوجود کوشش کے حضرت کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا البتہ اتنی بات سمجھ میں آرہی تھی کہ سفارشی مضمون ہے، اس پر خطیب الامت نے حضرت سے فرمایا کہ کیا پڑھنے کی کوشش کررہے ہوں، حضرت نے فرمایا کہ چونکہ اس پر پانی لگ گیا ہے اس لئے سمجھ نہیں آرہا کہ لکھا کیا ہے البتہ اتنی بات سمجھ آرہی ہے کہ کوئی سفارشی مضمون ہے، خطیب الامتؒ نے ہنستے ہوئے فرمایا کہ سفارش پر تو پہلے ہی پانی پھر چکا ہے۔

(۳)حضرتؒ ایک مقام پر خطیب الامت کے تعلق سے تحریر فرماتے ہیں کہ باوجود علمی ترقی اور وعظوں میں عمومی وخصوصی حلقوں میں غیر معمولی مقبولیت کے اپنے اساتذہ کے احترام ولحاظ میں ذرہ برابر کمی نہیں آنے دی، حتی کہ ''بخاری شریف،، کا درس شروع کرنے کے بعد بھی جب کبھی دفتر میں تشریف لاتے یا اپنے گھر بلاتے تو اسی نیازمندی اور احترام کا برتاؤ کرتے تھے، طلباء کی موجودگی میں ہمیشہ سامنے باادب ہوکر بیٹھتے تھے، میں ان کی خاندانی شرافت، علمی برتری اور روحانی مقام کی بلندی کے سبب ہمیشہ عزت واحترام سے ملتا تھا، مگر وہ باربار فرماتے تھے کہ آپ کے برتاؤ سے مجھے شرمندگی ہوتی ہے، کبھی کبھی مزاحا فرماتے کہ طالب علمی کے زمانے کا رعب ایسا غالب ہے کہ ڈر لگتا ہے کہ کہیں ادھر ادھر ہاتھ دراز نہ

ہو جائے، اب اگلا جملہ حضرت کا پڑھئے اللہ اکبر! کیسی تواضع وعبدیت کہ جس پر رشک کیوں نہ آئے، اپنے شاگرد سے کیا کہہ رہے ہیں، فرمایا کہ میں ان سے کہتا تھا کہ ہم تو ہر طرح آپ سے پیچھے رہ گئے، آپ جیسے شاگردوں ہی کی وجہ سے ہم تو اللہ کے دربار میں نجات کی امید کئے ہوئے ہیں، نیز فرمایا کہ میں یہ بات ان کا دل خوش کرنے کے لئے نہیں بلکہ صدق دل سے عرض کرتا تھا۔

(۴) حضرتؒ کی وسعت قلبی، عالی ظرفی اور اصاغر نوازی دیکھئے لکھتے ہیں کہ ناچیز کو برصغیر ہند و پاک کے بہترین خطیبوں اور علمائے دین کے وعظ سننے کی سعادت حاصل ہوئی ہے، اس بنا پر بلا شبہ میں یہ عرض کرسکتا ہوں کہ مولانا ابرار صاحبؒ برصغیر کے صف اول کے خطیبوں میں شمار کرنے کے قابل تھے۔

(۵) نیز لکھتے ہیں کہ میرے لئے مولانا کی وفات کی خبر واقعی صاعقۂ فاجعہ تھی، دل بے قرار ہو گیا اور اب تک اس صدمے کے اثر سے پوری طرح نجات نہیں مل سکی ہے، مولانا کی تقریروں اور وعظوں کے کیسیٹ عام ہیں، خادم زادے نے دو روز پہلے سنانا شروع کیا تو بندے کی سننے کی تاب نہ تھی، دل بھر آیا (افکار پریشاں ج ۲ بتغیر)

حوصلہ افزائی

حسن اخلاق میں ایک اہم وصف اور خوبی چھوٹوں کی حوصلہ افزائی کرنا ہے، ہر بڑے آدمی میں یہ صفت پائی جاتی ہے کے وہ اپنے چھوٹوں کو نوازتے ہیں

ان کی قدر وحوصلہ افزائی کرتے ہیں، مولانا عاشق الٰہی بلند شہری ثم المدنیؒ ایک جگہ تحریر کرتے ہیں کہ میں نے تبلیغی جماعت کے نمبروں پر ایک مختصر سا رسالہ لکھا تھا جو ''چھ باتیں،، کے نام سے معروف ہے، دہلی آکر میں نے اپنا یہ رسالہ حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی خدمت میں بھیجا کہ اس کی تسہیل فرمادیں، حضرت نے تھوڑی بہت ترمیم فرمائی اور لکھ دیا کہ تمہارا رسالہ پہلے ہی سے آسان زبان میں ہے اس میں اور کچھ کرنے کی ضرورت نہیں، میری باتوں سے متاثر ہوکر جو صرف باتیں ہی باتیں تھیں مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے سامنے مجھے بڑے اچھے الفاظ میں یاد کیا، حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ سے بھی نہ رہا گیا انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ میاں دیکھو! یہ تو تمہاری تعریف کررہے تھے میں تو جیسا ناکارہ تھا ویسا ہی ہوں لیکن دونوں حضرات کے طرز عمل سے یہ سبق لیا کہ اپنے چھوٹوں کو آگے بڑھانا چاہئے، چھوٹوں کی دلداری، ہمت افزائی کریں گے تو وہ آگے بڑھتے رہیں گے، حضرتؒ میں بھی یہ وصف بدرجۂ اتم پایا جاتا تھا۔

چار مثالیں۔(۱) بندے نے حضرت مولانا ابرار احمد صاحب دھلیویؒ کے سورۂ یوسف کے دروس کو کتابی شکل میں بنام ''لطائف سورۂ یوسف،، شائع کیا، جب وہ کتاب حضرت کے ہاتھوں میں پہنچی، حضرت اس وقت کینیڈا میں مقیم تھے وہاں سے مجھ پر مبارکبادی کا فون آیا۔

(۲) گجرات کے تجارتی مرکز سورت شہر سے گجراتی زبان میں ایک ماہنامہ

نکلتا ہے ’’وہورا ویلفیر سوسائٹی ،،اس کے ایڈیٹر مولانا یعقوب سریگت ہیں انہوں نے ابھی حال ہی میں وہورا ویلفیر سوسائٹی میں ایک مضمون لکھا تھا جس کا عنوان تھا ’’کلیجہ کا لہو کاغذ پر،،وہ مضمون حضرتؒ کو پسند آیا حضرت اپنی پیرانہ سالی،ضعف و نقاہت اور بیماری کے باوجود حضرت مولانا یعقوب صاحب سریگت کے مکان پر تشریف لے گئے اوران کواس مضمون کے لکھنے پر مبارکباد پیش کی ۔

(۳) گجرات کے مشہور مقرر ہے جو جامعہ ڈابھیل میں استاذ التفسیر بھی ہیں فرماتے ہیں کہ گجرات میں ۲۰۰۲ء میں جو زلزلہ آیا تھا اس کی کارگذاری ’’تراج گاؤں،، میں بیان کی تھی ،وہ کیسیٹ حضرت کے پاس بھی پہنچی،حضرت اس وقت ہندوستان سے باہر تھے،وہاں سے مجھ پر مبارکبادی کا فون (یا خط) آیا۔

(۴)بندے نے خطیب الامتؒ کے سورۂ یوسف کے آٹھ دروس قلمبند کئے تھے کہ پتہ چلا کہ حضرتؒ کی لندن اپنے صاحبزادے حافظ ابراہیم صاحب کے یہاں تشریف آوری ہوئی ہے، میں مسودہ لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا،حضرت کی طبیعت علیل تھی ،بندے نے آنے کا مقصد بیان کیا کہ میری چاہت یہ ہے کہ آپ اسے ایک نظر دیکھ لے اوراس پر کچھ کلمات تحریر کردے، اس پراول تو بڑی خوشی کا اظہار کیا بعدہ فرمایا کہ خطیب الامتؒ کے یہ علوم کیسیٹ میں محفوظ تھے اس سے امت کو خاطر خواہ فائدہ نہیں پہنچ رہا تھا اس کی واقعی ضرورت تھی کہ اس کو کتابی شکل میں لوگوں کے سامنے لایا جاتا،تو نے ایک اچھے کام کا بیڑا

اٹھایا ہے، میں تو آج کل بیمار چل رہا ہوں فی الحال اس حالت میں نہیں ہوں کہ دروس کو دیکھ سکوں اس پر میں خاموش بیٹھا رہا، تھوڑی دیر بعد فرمایا کہ ٹھیک ہے چھوڑ جاؤ، دوسرے دن حضرت کے صاحبزادے کا فون آیا کہ والد صاحب نے تجھے یاد کیا ہے، چنانچہ میں حاضر خدمت ہوا، حافظ ابراہیم صاحب فرمانے لگے کہ والد صاحب کی طبیعت کا حال آپ کے سامنے ہے طبیعت جیسی ہونی چاہئے ویسی نہیں ہے، مگر ہوا یہ کہ والد صاحب رات کو تہجد کی ادائیگی کے لئے بیدار ہوئے بعد نماز تہجد والد صاحب نے تمام دروس پڑھ لئے تھے اور اس پر تقریظ بھی لکھ دی ہے، اس موقعہ پر مجھے کچھ نصیحتیں بھی کی اس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

(۱) فرمایا کہ آج کل مختلف حضرات سے کتاب پر تقاریظ لکھوانے کا رواج عام ہوتا جا رہا ہے، بیس پچیس صفحات تو صرف تقاریظ پر خرچ ہو جاتے ہیں اب اگر وہ کتاب پانچ سو عدد چھپتی ہے تو مجموعی طور پر کتنے زیادہ صفحات اور کتنے پیسے ویسے ہی خرچ ہو جاتے ہیں، ایک کتاب پر ایک تقریظ کافی ہے، اور یہ تو مولانا ابرار کے دروس ہیں ان پر تقریظ کی کوئی ضرورت نہیں تھی، حضرت مولانا کو اللہ تعالی نے فن حدیث اور فن تفسیر پر بڑی مہارت عطا فرمائی تھی، ان کی شخصیت خود ایک سند کا درجہ رکھتی ہے اس کے بعد کسی تقریظ کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔

(۲) دوسری بات یہ بیان فرمائی کہ کتاب میں جو اشعار تحریر کئے ہیں اس میں سہو ہوا ہے برابر دیکھ لینا، نیز فرمایا کہ ہمارے یہاں سے جو کتابیں چھپتی ہیں ان

میں اکثر اشعار کو غلط نقل کیا جاتا ہے ان کی صحت کا خیال نہیں رکھا جاتا۔

خطیب الامتؒ کی جو مجالس علماء کے درمیان ہوئی تھی اس پر بندہ کام کررہا تھا اسی اثناء میں حضرت کی آمد ہماری مسجد مسجد قبا، اسٹامفورڈ ہل، لندن میں ہوئی، بندے نے حضرت سے دعا کی غرض سے اپنے اس کام کا تذکرہ کیا، اس پر حضرت نے بڑی مسرت کا اظہار کیا، خوب دعائیں دیں اور فرمایا کہ تو نے بہت اچھا کام شروع کیا ہے یہ مجالس تو بیانات سے بھی زیادہ مفید ہیں۔

علم کی نشر واشاعت کا جذبہ

''لطائف سورۂ یوسف،، چھپ کر حضرت کے ہاتھوں میں پہنچی تو حضرت نے مجھ تک یہ پیغام پہنچایا کہ اس کے کچھ نسخے بآسانی مل سکتے ہو تو کاپودرا قاری خالد صاحب کاپودروی استاذ جامعہ قاسمیہ کھروڈ کو پہنچا دیئے جائیں، ہم یہ کرتے ہیں کہ گجرات کے وہ ادارے جن میں دورۂ حدیث تک تعلیم دی جاتی ہے وہاں کے کتب خانوں میں ایک ایک نسخہ بھیج دیتے ہیں فی الحال ایسے پچپن (۵۵) ادارے ہیں، قاری خالد صاحب ان کتابوں کو اس طرف سے جو ٹرک آتے ہیں ان کے ساتھ بھیج دیتے ہیں۔

سادگی

طبیعت تصنع اور بناوٹ سے عاری تھی، رہن سہن اور وضع قطع میں سادگی تھی، آپ کے پہناوے سے کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ علمی اعتبار سے یہ بلند

مقام کے حامل ہے، حضرت خود اپنا ایک قصہ بیان فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ریل گاڑی میں جارہا تھا قریب میں ایک طالب علم بھی تھا اس کی وضع قطع سے میں سمجھ گیا کہ وہ طالب علم ہے، وہ مجھے نہیں پہچان سکا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا پڑھتے ہو؟ بتایا کہ عربی چہارم میں شرح وقایہ اور مختارات وغیرہ پڑھتا ہوں، پھر اس نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کہاں رہتے ہیں؟ میں نے کہا میں یہاں ایک چھوٹے سے دیہات کا پودرا میں رہتا ہوں، اس نے پوچھا آپ کیا کرتے ہیں؟ میں نے کہا کھیتی کرتا ہوں، پھر میں نے پوچھا کہ شرح وقایہ کیسی کتاب ہے؟ کہنے لگا اچھی کتاب ہے اس میں فقہ کے مسائل ہیں، میں نے پوچھا کہ مختارات کیسی کتاب ہے؟ کہنے لگا کہ مختارات عربی کی بہت بڑی کتاب ہے، وہ مجھے دیہاتی سمجھ کر بات کررہا تھا، میں نے کہا کہ اچھا مختارات میں ایک سبق آیا ہے "**الخطابة المعجزة**"، اس کے کچھ جملے یاد ہیں؟ جب میں نے یہ جملہ کہا تو وہ ذرا چوکنا ہوگیا اور دل میں سوچنے لگا کہ یہ تو کوئی دیہاتی آدمی ہے اور "**الخطابة المعجزة**"، کی بات کررہا ہے (صدائے دل ج ا ص ۲۲۶ بتغیر)

سرپرستی

حضرت رحؒ کئی مدارس کے سرپرست تھے، آپ جب کینیڈا منتقل ہورہے تھے تو جن جن مدارس کی سرپرستی فرمارہے تھے ان سے کہدیا کہ چونکہ میں کینیڈا جارہا ہوں مستقل طور پر لہذا میں مدرسہ کے سرپرستی سے سبکدوش ہوتا ہوں، جواب

میں کہا گیا کہ کوئی بات نہیں ہم آپ کا نام سرپرستوں کی فہرست میں رہنے دیتے ہیں، حضرت نے فرمایا کہ ایسی سرپرستی کا کیا فائدہ کہ جب میں اس ملک میں موجود ہی نہیں ہوں گا، نیز فرمایا کہ میں رسمی سرپرستی کا قائل نہیں ہوں۔

افرادسازی

بہت سے افراد کو آپ نے مردمیدان بنایا، اپنی مردم گری، اور مردم سازی سے آپ نے بہت سے رجال کار تیار کئے، جو ہند و بیرون ہند دینی و ملی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

سیاست

کبھی عملی سیاست میں تو حصہ نہیں لیا لیکن سیاست کے اتار چڑھاؤ پر آپ کی ہمیشہ نظر رہتی تھی، سیاست اور ملکی و ملی مسائل سے باخبر رہنے کے لئے روزانہ پابندی سے اخبار کا مطالعہ کرتے تھے، یہ معمول سفر میں بھی جاری رہتا تھا۔

حمیت دینی

مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ کے وہ جملے جو آپ نے حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے متعلق ان کی وفات کے بعد تحریر میں کئے تھے ان کو حضرتؒ کے لئے مستعار لیتا ہوں، وہ یہ کہ آپ میں حمیت دینی کوٹ کوٹ کر بھری تھی، ایک ہے حمیت اور ایک ہے حمایت، حمایت میں وہ اندرونی جذبہ اور دل سوزی نہیں ہوتی وہ دل کی تپش اور ذہن کی خلش اور وہ اضطراب و بے چینی نہیں ہوتی جو

حمیت میں ہوتی ہے، حالانکہ حروف دونوں کے متقارب ہیں مگر یہ اللہ تعالی بہت کم لوگوں کو دیتا ہے، انہیں چنندہ لوگوں میں سے ایک حضرت کی شخصیت تھی۔

قوت حافظہ

قوت حافظہ خدائی روشنی ہے جس سے صالحین کو سرفراز کیا جاتا ہے، امام شافعیؒ نے اپنے استاذ حضرت وکیعؒ سے حافظے کی کمزوری کی شکایت کی، انہوں نے حضرت الامام کو معاصی سے اجتناب کی تلقین کی اور فرمایا کہ قوت حافظہ نور الہی ہے جو کسی عاصی کو نہیں دیا جاتا، حضرت کو اللہ تعالی نے حافظہ بھی خوب دیا تھا، بچپن سے ہی بڑے ذہین تھے آپ کے استاذ مولانا سید حسن صاحب دیوبندیؒ جن سے آپ نے ''**نفحة العرب**،، پڑھی تھی انہوں نے مولانا عبدالحق عمر جیؒ سے جو اس زمانے میں ''دار العلوم دیوبند،، میں ''انجمن ثمرۃ التربیت،، کے صدر اور سورتیوں کے لیڈر سمجھے جاتے تھے فرمایا تھا کہ ''تمہارا یہ سورتی بچہ ذہین ہے،، اس کا خیال رکھیں اور نگرانی فرماتے رہیں (رشد وہدایت کے منارص ۸۷۔۸۸ بتغیر)

مزاج

آپ ہر چیز کا خوب نوٹس لیتے تھے، جو چیز بھی دیکھتے، پڑھتے سنتے تھے اس پر خوب غور فرماتے تھے اور اس کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے تھے، اور حتی الامکان اچھی باتوں کو یاد رکھنے کی کوشش کرتے تھے، کوئی اچھی بات کہیں لکھی ہوئی دیکھتے مثلاً کسی سواری کے پیچھے یا کسی دیوار پر یا کسی سائن بورڈ پر یا کسی عام گذرگاہ

پراس کو پڑھتے اور یاد بھی رکھتے تھے، اوراپنے طور پراس کا تجزیہ فرماتے تھے اوراس کا جو اچھا پہلو نکل سکتا اس سے خود بھی فائدہ اٹھاتے اور دوسروں تک بھی اس پیغام کو موقعہ کی مناسبت سے پہنچاتے تھے۔

رواداری

ایک اہم خوبی کسی آدمی میں اچھائی دیکھ کراس کا برملا اعتراف کرنے کی تھی ، پھر چاہے اس کا تعلق کسی جماعت سے ہو، فرمایا کہ ہم لوگ ایک مرتبہ ایک تنظیم کے ساتھ کام کررہے تھے، آپس میں کچھ اختلاف ہوگیا، اس کی وجہ سے آٹھ دس آدمیوں نے استعفاء بھی دے دیا، بڑا ہنگامہ ہوا انہی دنوں اتفاق سے میرا مکہ مکرمہ جانا ہوا حرم شریف میں ایک آدمی مجھ سے کہنے لگا کہ صاحب فلاں صدر صاحب ایسے ہیں ویسے ہیں، میں نے کہا کہ نہیں آپ کیا بات کرر ہے ہیں انہوں نے دین کا بہت کام کیا ہے ان کی اگر چند باتوں سے ہمیں اختلاف ہے اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ وہ آدمی بالکل ہی خراب ہیں، پھر میں نے کہا کہ انہوں نے بڑے خیر کے کام کئے ہیں چند مثالیں میں نے ان کے سامنے بیان کیں، اس پر وہ کہنے لگا کہ آپ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے مخالف عالم کے بارے میں اس طرح کی باتیں کہیں۔

عصری حسیت

''عصری حسیت،، کے ماہر تھے، حضرت علی بن ابی طالب ؓ کے حکیمانہ

مقولہ ''کلموا الناس علی قدر عقولهم اتریدون ان یکذب الله ورسوله،، لوگوں سے ان کی سمجھ کے مطابق خطاب کیا جائے تاکہ وہ نادانی سے اللہ ورسول کی بات کی تکذیب نہ کریں پر اچھی طرح عامل تھے۔

حکمت

ارشاد باری ہے ''ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن،، اللہ تعالی نے حضرت کو حکمت سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا، حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ بے شک حکمت عمر بڑھنے سے نہیں آتی بلکہ یہ تو اللہ تعالی کا ایک عطیہ ہے جسے چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں، دین کی دعوت اور دینی ذہن بنانے کے لئے بھی حکمت کی ضرورت ہوتی ہے۔

ایک واقعہ۔ امریکہ کے ڈاکٹر سراج الدین ایک مسلم کنٹری میں اپنی فیملی کے ساتھ گئے وہاں ان سے بڑا خراب معاملہ ہوا کہ جس جگہ پچاس روپیہ کرایہ تھا وہاں ان سے تین سو روپیئے لئے گئے وہ جب واپس آئے تو اتنے متنفر ہو گئے کہ انہوں نے داڑھی رکھی تھی وہ بھی مونڈ دی، ان سے حضرت کی جب ملاقات ہوئی تو آپ نے انہیں سلام کیا، انہوں نے دل کی بھڑاس نکالنا شروع کیا کہ اسلام ایسا ہوتا ہے، ایسے کیسے مسلمان ہیں جن کو دیکھ کر ہمیں تکلیف ہوئی اور میرا پیسہ برباد ہوا وغیرہ، حضرت فرماتے ہیں کہ میں ان کی بات سنتا رہا، اخیر میں میں نے ان سے یہ کہا کہ ساری دنیا بھی اگر کافر ہو جائے خدانخواستہ تب بھی ہمارے لئے یہ جواز نہیں

ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لے کر آئے ہیں خدا کی طرف سے اس کو ترک کردیں، حضرت فرماتے ہیں کہ اس کو میری یہ بات سمجھ میں آگئی، پھر میں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب آپ نے جو تاثر لیا اس سے میں متفق ہوں لیکن آپ اپنی جگہ سے کیوں ہٹ رہے ہیں، یہ ٹھیک نہیں ہے، یہ آپ حد سے تجاوز کر رہے ہیں، میں نے دھیمے دھیمے ان سے بات کی انہوں نے میرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا اور کہا کہ اب کبھی میں یہ بات زبان پر نہیں لاؤں گا۔

ذاتی کتب خانہ

حضرت نے اپنا ذاتی کتب خانہ بھی بنایا تھا جن میں عربی، اردو فارسی اور دیگر کچھ زبانوں کی کتابیں تھیں، ساتھ مخطوطات بھی تھے، کچھ کتابیں تو ایسی نادر اور قیمتی تھی کہ جو گجرات کے مدارس عربیہ کے کتب خانوں میں بھی نہیں تھیں، حضرت کا ذوق تھا اچھی کتابیں خریدنا، شاید اس کے پیچھے مولانا عبد الرؤف صاحب پشاوریؒ کی حضرت کو نوجوانی میں کی گئی نصیحت تھی، علامہ نے حضرتؒ سے فرمایا تھا کہ کسی نائی کو دیکھا ہے کہ دوسرے کے اوزار لے کر حجامت بناتا ہو؟ عرض کیا نہیں، فرمایا تو پھر مولوی کیوں دوسروں کی کتابیں لے کر پڑھتا ہے اور تاکید فرمائی تھی کہ فقہ، ادب، حدیث شریف، تفسیر کی ضروری کتابیں خریدنے کی عادت رکھو تاکہ آہستہ آہستہ کتابوں کا ذخیرہ جمع ہوسکے، حضرتؒ تحریر کرتے ہیں کہ حضرت کی نصیحت کا اثر ہوا اور میں نے کتابیں خریدنا شروع کیا جس سے مجھے بہت نفع

پہنچا(رشدوہدایت کے منارص ۵۸)

کتب بینی وقطب بینی

حضرت نے ’’کتب بینی،، کے ساتھ ’’قطب بینی،، بھی خوب کی تھی،ایک جگہتحریر کرتے ہیں کہ راقم نے جن علماء ومشائخ سے ملاقات کی سعادت حاصل کی اوران سے استفادہ کا زریں موقع میسر ہوا وہ ایک ’’بڑی تعداد،، میں ہیں،جن میں عرب وعجم کے ممتاز وقابل فخر علماء بھی ہیں اوران کی ایک طویل فہرست ہے(رشد وہدایت کے منارص ۱۷)

صحبت صالحین پرخودبھی عامل اور اپنی برادری کو ہمیشہ اس کی نصیحت

قال را بگذار مرد حال شو
پیش مرد کامل پامال شو

۞۞۞۞۞

ان سے ملنے کی ہے یہی ایک راہ
کہ ملنے والوں سے راہ پیدا کر

حضرت نے خودبھی صحبت صالحین کا اہتمام کیا اور یہی مشورہ اورنصیحت اپنی برادری کو بھی دیتے رہتے تھے کہ صحبت صالحین کا اہتمام کیا جائے ،حضرت کو بزرگوں کی زیارت اوران سے ملاقات کا شوق نوجوانی سے بلکہ یوں کہہ سکتے

ہیں کہ بچپن سے ہی تھا ''رشد و ہدایت کے منار،، جو کہ حضرت کی تصنیف ہے ص ۱۳۶۔۱۳۷ پر تحریر کرتے ہیں کہ ۵۹/۱۹۵۸ء میری جب دار العلوم دیو بند میں دو بارہ حاضری ہوئی تو ایک رفیق درس نے جن کے ساتھ مولانا علی میاں ندوی کے بارے میں گفتگو ہوتی رہتی تھی یہ مزدہ سنایا کہ شاہ عبد القادر صاحب رائے پوری سہارنپور میں مقیم ہیں اور لکھنو سے مولانا ابوالحسن بھی وہاں تشریف لائے ہیں اسی شام سہارنپور روانہ ہوگیا حضرت رائے پوری کے کمرے سے متصل ایک کمرے میں مولانا قیام پذیر تھے ملاقات سے مشرف ہوا دعا کی درخواست کی اور واپس آ گیا کسی نے صحیح کہا ہے کہ ؎

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

حضرت ایک جگہ تحریر کرتے ہیں کہ بزرگوں کی صحبت میں رہنا اور ان سے خط و کتابت کرنا ہر وقت ضروری ہے، فرمایا کہ جب آدمی خود کو کتابوں کے لئے وقف کرتا ہے اکابر کی کتابیں دیکھتا ہے اور پھر اللہ والوں سے تعلق پیدا کرتا ہے تو اس میں صلاحیت اور صلاح دونوں باتیں پیدا ہوتی ہیں، ایک تو ہے دماغ کو روشن کرنا، یہ کتابوں سے ہوگا، دوسرا ہے دل کا روشن ہونا، دل کی روشنی اللہ والوں کے پاس ملے گی، حضرات صحابہ کرام کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ دونوں چیزیں ملتی تھیں، آپ کی زبان مبارک سے جو علم ملتا تھا اس سے ان کے دماغ روشن ہوتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے ان کے قلوب پاکیزہ ہوتے

تھے۔

حضرت علماء اور طلباء سے یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ اپنی تقریروں میں ہمیشہ ایک بات یہ فرماتے تھے کہ بھائی دیکھو! اگر آپ نے کپڑوں کے صندوق میں چھوٹی چھوٹی گولیاں رکھدیں تو جب ایک ہفتہ کے بعد صندوق کھولیں گے تو ان کپڑوں میں سے ان کی بو آئے گی اور اگر آپ نے گلاب کے پھول ان میں رکھے ہیں تو گلاب کی خوشبو ان میں سے آئے گی، حالانکہ کپڑوں میں خوشبو نہیں تھی لیکن چونکہ وہ پھول آپ نے ان میں رکھے اس کی وجہ سے ان میں گلاب کی خوشبو آنے لگی، یہ صرف صحبت کا اثر ہے، طلبہ سے ہمیشہ فرماتے تھے کہ صحبت صالحین اختیار کرو طلبہ اور علماء کو اس کی شدید ضرورت ہے، ایک اور جگہ تحریر کرتے ہیں کہ علم کی ضرورت یقیناً پہلے ہے، لیکن صرف علم کافی نہیں، چونکہ حضرات صحابہ کرام کو علم کے ساتھ ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہوئی تھی، اس لئے ان کے علم میں ایک قسم کی جلا اور روشنی پیدا ہو جاتی تھی، آج بہت سے لوگوں کے پاس علم ہے لیکن وہ علم ان کے لئے فتنہ کا باعث بنا ہوا ہے، کہیں تو آپس میں تقابل ہوتا ہے، کہیں کسی مسئلہ میں الجھے ہوئے ہیں کبھی چھوٹی چھوٹی باتوں میں مناظرہ ہوتا ہے، اس وقت جتنی بھی گڑبڑ اہل علم کے حلقوں میں ہو رہی ہے یہ سب صالحین کی صحبت نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔

حضرت کو اکابر کی صحبت کا کتنا اہتمام رہا ہے اس کے لئے میں صرف ایک

واقعہ ذکر کرتا ہوں، حضرت کینیڈا میں مقیم تھے کہ آپ کو اطلاع ملی کہ پاکستان سے حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحبؒ کے محبوب خلیفہ ومجاز حضرت مولانا محمد فاروق صاحبؒ (حاجی فاروق صاحب) پاکستان سے برطانیہ تشریف لائے ہیں، چنانچہ حضرت صرف اس غرض سے کینیڈا سے برطانیہ تشریف لائے کہ ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گذارا جائے اور ایک اللہ والے کی معیت میں کچھ دن گذار سکے۔

حضرت اس سفر کا ایک دلچسپ واقعہ بھی بیان کرتے تھے کہ مولانا فاروق صاحبؒ کو ایک موٹر میں سوار ہونا تھا حضرت کار میں داخل ہوئے کار میں کوئی آدمی موجود نہیں تھا مگر حضرت نے زور سے سلام کیا، میں نے سوال کیا کہ حضرت! کار میں تو کوئی آدمی موجود نہیں ہے آپ نے کس کو سلام کیا، فرمایا کہ مولوی صاحب! آپ جب اپنے گھر یا کمرے میں داخل ہوتے ہیں تو السلام علیکم کہکر داخل ہونا چاہیئے اس لئے کہ ممکن ہے کہ اس میں ''صالحین من الجن،، ہوں ان کو سلام کرلو اور گھر میں کوئی بھی نہ ہو تب بھی السلام علیکم کہکر پیر داخل کرو، ٹھیک اسی طرح یہ موٹر کار میں بھی جو ہم داخل ہوتے ہیں اس کا حکم بھی کمرے کا ہے اس لئے موٹر میں بھی اگر بیٹھو اور کوئی نہ بھی ہو تب بھی السلام علیکم کہہ کر بیٹھو۔

حضرت فرماتے تھے کہ بزرگوں سے ایسی ہی باتیں سمجھنے اور سیکھنے کی ہوتی ہیں، اس لئے ہم لوگ پوری زندگی بزرگوں کی باتوں کے محتاج ہیں، پھر فرمایا کہ آدمی اپنے آپ کو کامل کبھی نہ سمجھے خود کو ہمیشہ محتاج سمجھے جنہوں نے خود کو رگڑ وایا ہے

بزرگوں کی خدمت میں رہ کر اور بزرگوں نے جن کی تربیت کی ہے ان کے ساتھ رہے بغیر ہمارا نفس درست نہیں ہو سکتا۔

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

حضرت ایک جگہ تحریر کرتے ہیں کہ مفتی کفایت اللہ صاحبؒ دار العلوم دیوبند تشریف لائے نماز ظہر ادا کی ناچیز بھی حاضر ہوا نوافل سے فراغت پر حضرت مفتی صاحبؒ کی جوتیاں اٹھا کر باہر رکھنا چاہا تو مفتی صاحب نے بہت تیزی سے میرے ہاتھ میں سے جوتیاں لیتے ہوئے فرمایا ارے بھائی! یہ میری جوتیاں ہیں ان کو کہاں لے جاتے ہو؟ میں گھبرا گیا اور ایک طرف کھڑا ہو گیا مفتی صاحب مسکرا کر آگے تشریف لے گئے، مجھے بتایا گیا کہ مفتی صاحب اپنی جوتیاں دوسروں سے اٹھوانا پسند نہیں کرتے اور تم سے یہ بات مزاحا کہی ہے۔ (دشد وہدایت کے منار ص۱۹۶ بتغیر)

مولانا عبد الحئی بسم اللہ ڈابھیلیؒ کی خدمت کا شرف بھی آپ کو نصیب ہوا ان کے لئے وقفہ میں چائے بناتے اور گیارہ بجے کے بعد برتن صاف کرتے اور کمرے کی صفائی بھی کرتے تھے (رشد وہدایت کے منار ص۲۸ بتغیر)

نیز مولانا عبد الرؤف صاحب پشاوریؒ کی خدمت کی سعادت بھی حاصل رہی ان کے لئے چائے پکانا اور کھانے کا نظم کرنے کی ذمہ داری اپنے ذمہ لے رکھی تھی (حوالہ بالا ص۵۷ بتغیر)

حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ کے لئے آپ طالب علمی کے زمانے میں جیسے ہی عشا کی اذان ہوتی درسگاہ سے نکل کر سیدھے بنگلے پر پہنچتے اور علامہ کے لئے وضو کا لوٹا بھر کر رکھ دیتے تھے، اس پر علامہ بعض مرتبہ دعائیہ کلمات ارشاد فرماتے (حوالہ بالا ص ۷۰ بتغیر)

حضرت فرماتے تھے کہ ۴۹/۱۹۴۸ء میں حضرت مدنیؒ کے مہمان خانے میں حضرت شیخ الحدیثؒ، مولانا عبد القادر رائے پوریؒ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ سب حضرات موجود تھے، ان سے ملاقات کی اور کھانے کے بعد تھوڑی دیر خدمت کرنے کا موقع بھی ملا، حضرت شیخ الحدیثؒ کی صحت اس وقت بہت اچھی تھی ہاتھ، پیر اتنے مضبوط تھے کہ میری کم عمری کے سبب دبانا مشکل ہو رہا تھا (حوالہ بالا ص ۱۱۵)

بزرگوں کی خدمت اور دعاؤں کا صلہ تھا کہ اللہ تعالی نے آپ کو پھر مخدوم بنایا، واقعی ؎

ہر کہ خدمت کرد او مخدو شد

بزرگوں سے نصیحت کی درخواست

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ سے مکہ مکرمہ میں ان کی قیام گاہ ''باب العمرہ،، پر حاضر ہو کر درخواست کی کہ کاپی میں کوئی نصیحت تحریر فرمادیں، حضرت نے تحریر فرمایا:

الا کل شیء ماخلا اللہ باطلا

وکل نعیم لا محالۃ زائل

(رشد وہدایت کے منارص۷۶)

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ سے کوسمبا کے اسٹیشن پر نوٹ بک پیش کر کے عرض کیا کہ حضرت! کوئی نصیحت تحریر فرمادیں، شیروانی کے جیب سے سرخ قلم نکالا اور تحریر فرمایا:

جہاں اے برادر نہ ماند بکس

دل اندر جہاں آفریں بند و بس

عشق بامردہ نہ باشد پائدار

عشق را با حی و باقیوم دار

(حوالا بالاص۱۰۹)

مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ سے کاپی میں نصیحت لکھنے کی درخواست کی ت، حضرت نے تحریر فرمایا ''الدین النصیحۃ،، دین خیرخواہی کا نام ہے۔ (حوالا بالاص۱۲۹)

اکابر سے مشورہ

آپ کی ایک اہم خصلت اہم معاملات میں بڑوں سے مشورہ کرنے کی تھی اور پھر وہ جو لائحہ عمل طے کرتے تھے اس کے مطابق کام کرتے تھے، اس کی کئی

مثالیں ہیں، مشت نمونہ ازخروارے، ملاحظہ کرے۔

(۱) حضرت تحریر کرتے ہیں کہ مارچ ۱۹۶۶ء میں جب ''دارالعلوم فلاح دارین،، کے اہتمام کی ذمہ داری سپرد کی گئی تو کم عمری اور ناتجربہ کاری کے سبب ضروری تھا کہ بزرگوں سے مشورہ کرتا اسی مقصد سے ''حضرت مولانا محمد سعید راندیریؒ،، کی خدمت میں راندیر حاضر ہوا، جامعہ حسینیہ کے کتب خانہ میں تشریف فرما تھے محبت سے بٹھایا، بندہ نے عرض کیا کہ بندہ اس کا اہل نہیں ہے (دیکھئے یہ ہے اصل چیز جو آدمی کو کامیاب بناتی ہے کہ اپنے آپ کو مٹانا، اپنے کو اس کے لائق نہ سمجھنا، تواضع، عبدیت کہ اہل ہوتے ہوئے اپنے کو اہل نہیں سمجھ رہے ہیں، جو یہ صفت پیدا کرلے گا تو پھر شاعر کی زبانی۔

مٹنے والوں کی رہی ہمیشہ اونچی منزل
پیس گیا سرمہ تو آنکھوں میں جگہ پائی

مگر کمیٹی والوں کا اصرار ہے کہ تجھے ہی یہ کام کرنا ہے، فرمانے لگے گھبرانے کی کوئی بات نہیں، کام کام کو سکھلاتا ہے جیسے جیسے کام کرتے جاؤ گے تجربات ہوتے جائیں گے، مشکل پیش آئے تو مشورہ کرتے رہو البتہ ایک بات یاد رکھنا کہ '' چلتے بیل کو گودے مت مارنا،، مطلب یہ تھا کہ مدرسہ میں جو اساتذہ کام کر رہے ہیں خواہ مخواہ ان کے کام میں کیڑے نکال کر پیچھے نہ پڑنا، خردہ گیری سے پرہیز کرنا مہتمم صاحبان کو چھوٹی چھوٹی باتوں میں پکڑ کرنے میں فائدہ نہیں ہوتا، چشم پوشی

بھی کرنی پڑتی ہے (رشد وہدایت کے منارص ۱۹۱۔۱۹۲ بتغیر)

ایک اور جگہ تحریر کرتے ہیں کہ ''دارالعلوم،،کے انتظامی امور کی ذمہ داری بہت کم عمری میں یعنی ۳۳ سال کی عمر میں سنبھالنے کی نوبت آئی اس لئے بار بار اساتذہ اور اپنے اکابرین کی خدمت میں کر مشورہ کی غرض سے حاضری لگاتا اور ان ہی کی رہنمائی میں ٹوٹی پھوٹی خدمت انجام دیتا رہتا۔

(۲) ۱۹۶۶ء میں بندہ ترکیسر ''فلاح دارین،، میں مدرس ہوکر گیا مگر دو مہینوں میں وہاں نظام میں تبدیلی ہوئی اور بندے کو اہتمام کی ذمہ داری سپرد کی گئی ،حضرت مولانا ایوب صاحب اعظمیؒ سابق شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل،سملک کی خدمت میں حاضر ہوکر مشورہ طلب کیا ،حضرت نے فرمایا کہ ہمت سے کام کرو مگر بندے کی ایک نصیحت یاد رکھنا کہ تدریس کا سلسلہ نہ چھوڑنا ،ہمارے اداروں میں مدرسین کی ضرورت تو ہمیشہ رہتی ہے مہتمم کی نہیں، نیز فرمایا کہ جن مدارس کے مہتمم مدرس بھی ہیں طلبا پر ان کا جو اخلاقی اثر ہوتا ہے وہ ان مہتمم صاحبان کا نہیں ہوتا جو مدرس نہیں ہیں (حوالہ بالا ص ۱۴۳)

(۳) شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے ایک بار تخلیہ میں مدرسہ کے پریشان کن حالات ذکر کرکے مشورہ طلب کیا، تو فرمایا ''اپنی طرف سے چھوڑو مت، الگ کردیں تو رنج مت کرو،، (رشد وہدایت کے منارص ۱۱۷)

(۴) حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا جو

پریشانیاں تھیں وہ تفصیلاً عرض کرنے لگا، حضرت مفتی صاحب غور سے سماعت فرماتے رہے جب بات ختم ہوئی تو فرمایا کہ ابھی کچھ کہنا باقی ہے؟ عرض کیا نہیں یہی حالات ہیں جو عرض کر چکا ہوں، فرمایا جی ہاں! انہی حالات میں کام کرنا ہے ایسے حالات تو آتے ہی رہتے ہیں، اور ارشاد فرمایا مولوی صاحب! ہمارے اکابر نے بڑی قربانیوں کے بعد ان اداروں کو بنایا ہے کیا ہمارے حصے میں ان کا اجاڑنا لکھا ہے؟ حضرتؒ کی یہ بات سن کر میں آبدیدہ ہوگیا، اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ'' کچھ افراد ایسے پیدا کرلو جو اس کام کو نبھانے کی صلاحیت رکھتے ہوں پھر الگ ہونے میں کوئی حرج نہیں، مگر ابھی نہیں،، حضرت مفتی صاحبؒ کی اس دل سوز گفتگو نے میری رائے تبدیل کردی اور اس کے بعد کئی سال کام ہوتا رہا (رشد وہدایت کے منار ص ۱۵۶)

اہتمام سے متعلق حضرات اکابر کی
حضرت دامت برکاتہم کو نصیحتیں

(۱) مولانا محمد منظور نعمانیؒ کو'' فلاح دارین،، کے تعلیمی کوائف معلوم کرنے اور'' دارالعلوم،، کی تعلیمی ترقی کے مشورہ کے لئے دعوت دی گئی، حضرت تین روز تشریف فرمارہے اردو سے لے کر دورہ تک ہر جماعت کے طلباء کو جانچا اور مفید مشورے عنایت فرمائے، اس میں ایک بات یہ بھی ارشاد فرمائی کہ طالب علم کی غلطیوں اور شرارتوں پر فوراً اخراج نہیں کرنا چاہئے اخراج تو سب سے آخری چیز ہے طلباء کچھ نہ کچھ شرارتیں کرتے ہیں ان کی اصلاح وتربیت کرنی چاہئے نہ کہ بات

بات میں اخراج، نیز فرمایا کہ آپ نے مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کا وہ مضمون پڑھا ہوگا جو انہوں نے دیوبند کی اپنی طالب علمی کے بارے میں لکھا ہے کیسی کیسی شرارتیں! اگر ''دارالعلوم،، کے مہتمم ان کا اخراج کردیتے تو آج امت ان کے قیمتی افکار وخدمات سے محروم رہ جاتی، اور فرمایا کہ چوں کہ آپ کے مدرسے کا عوامی چندہ نہیں ہوتا اس لئے چندہ دہندگان کا دباؤ بھی نہیں ہوتا لہذا جو طالب علم عربی کے ابتدائی درجات میں کمزور ہو اس کو قطعاً اگلا درجہ نہ دیں، اس عمل میں تھوڑی مخالفت برداشت کرلیں اس سے تعلیمی معیار بلند ہوگا (رشد وہدایت کے منار، بتغیر)

(۲) حضرت مولانا عمران بھوپالیؒ نے حضرتؒ سے اہتمام سے متعلق فرمایا کہ میں نے تقریباً پچیس سال ''ندوہ،، کا اہتمام کیا ہے، اور اب بھوپال کے ''تاج المساجد،، کا ذمہ دار ہوں، اس لئے عرض کرتا ہوں کہ انتظامی معاملات میں تساہل بالکل نہ برتنا اساتذہ یا مدرسے کے دیگر کارکنان سے متعلق جو بات بھی کرنی ہو تحریری طور پر کرنا، اور اس کا چھوٹا سا پرزہ بھی فائل میں محفوظ رکھنا، چونکہ جب تک اساتذہ کے ساتھ تعلقات اچھے رہتے ہیں معاملہ آسان ہوتا ہے، مگر جوں ہی کسی وجہ سے ناراضگی ہوجاتی ہے تو ایسی ایسی شکایتیں اور ظلم وزیادتی کی کہانیاں شروع ہوں گی جن کا تمہیں وہم وگمان بھی نہیں ہوگا، اس لئے ہر بات تحریری ہوگی تو ضرورت کے وقت کام آئے گی، حضرتؒ فرماتے تھے کہ مولاناؒ کی ان ہدایات و ارشادات کو ناچیز نے خوب سودمند پایا (رشد وہدایت کے منار ص ۱۸۱)

(۳)فرمایا کہ حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھیؒ (چہرہ اتنا روشن تھا کہ واقعی بدر عالم معلوم ہوتے تھے) نے مدینہ منورہ میں ایک مجلس میں فرمایا تھا کہ ہندوستان کے مدرسوں میں ''مشکوۃ شریف،،تک حدیث پاک کی کوئی کتاب طالب علم نہیں پڑھتا اس کا یہ نتیجہ دیکھا کہ بعض طالب علم عربی چہارم تک مدرسہ میں پڑھ کر کسی وجہ سے مدرسہ چھوڑ دیتے ہیں اور حدیث شریف سے محروم جاتے ہیں،اس لئے بہتر ہے کہ ابتدائی درجہ سے احادیث کی کتاب پڑھاتے جاؤ، پہلے مختصر احادیث پھر درجہ بدرجہ کتابیں پڑھاؤ،حضرت کے اس ارشاد کے بعد ہی'' فلاح دارین،، میں عربی سوم سے ''ریاض الصالحین،،شروع کروائی تھی (رشد وہدایت کے منار ص۱۲۴)

حسن السوال نصف العلم

تین مثالیں ۔(۱) حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ سے عرض کیا کہ احمد امین، طہٰ حسین، اور منفلوطی کی کتابیں پڑھتا ہوں مگر اچھی طرح سمجھ نہیں سکتا اس کا کیا علاج ہے؟ فرمایا پڑھتے رہو آہستہ آہستہ مناسبت پیدا ہوگی ساتھ میں لغات جدیدہ سے مدد لینے کی ہدایت فرمائی، نیز فرمایا کہ اگر ستر اسی فیصد مفہوم سمجھ میں آجائے تب بھی کافی ہے (رشد وہدایت کے منار ص۱۳۷)

(۲)فرمایا کہ میں نے محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ سے سوال کیا کہ حضرت !علم حدیث میں مہارت کے لئے کتنے سال درکار

ہیں؟حضرت نے خاص انداز سے میری طرف دیکھا اور فرمایا’’مولوی صاحب! آپ مہارت کی بات کرتے ہیں ہم نے اپنی زندگی کھپا دی تب کچھ شد بد پیدا ہوئی ہے اوراب کوئی مخطوطہ دیکھتا ہوں تو کھٹک پیدا ہوتی ہے کہ یہاں یہ لفظ نہیں ہوگا پھر جب دوسرے مخطوطے سے تقابل ہوتا ہےتو صحیح لفظ مل جاتا ہے(رشدو ہدایت کے منارص۲۰۲)

(۳)حضرت مولانا سید معراج الحق صاحب دیوبندیؒ سے دریافت کیا کہ حضرت!اس زمانے میں پہلے جیسی استعداد والے فضلا کیوں تیارنہیں ہوتے؟اس پر حضرت نے فرمایا کہ پہلے زمانے میں ابتدائی’’صرف ونحو،،کی کتابیں اور’’فقہ،،’’اصول،،’’ادب،،فلسفہ،،منطق کی کتابیں محنت سے پڑھتے تھے،اور اس میں اتنا وقت لگتا تھا کہ ان کی ذہنی صلاحیت اورقوت اخذ پختہ ہوجاتی تھی،اس کے بعد’’ہدایہ آخرین،،حسامی،،بیضاوی اور دیگر علیا کی کتب سمجھنا ان کے لئے آسان ہوتا تھا،اب جوطلبا کم عمری میں اوپر کے درجے میں پہنچ جاتے ہیں ان کی ذہنی صلاحیت ان اونچی کتابوں کے دلائل سمجھنے کے قابل ہی نہیں ہوتی ، نیز فرمایا کہ’’ہدایہ آخرین،،میں مجھے اس کا خوب تجربہ ہورہا ہے(حوالا بالاص۸۶بتغیر)

(۴)فرمایا کہ میں نے حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ سے عرض کیا کہ حضرت!حدیث شریف کے قابل اساتذہ نہیں مل رہے،فرمایا کہ جی ہاں!اب ہم انورشاہ اورشبیراحمد عثمانیؒ کوتو قبر سے اٹھا کرنہیں لاسکتے ،اب جوموجود ہیں انہی کو

بنانا پڑے گا، نیز فرمایا کہ ''دوسرے اداروں میں جواچھے مدرس کام کرتے ہیں اگر وہ مخلص ہیں تو اپنی جگہ چھوڑیں گے نہیں اور جو چھوڑیں گے تو کوئی نہ کوئی بات ہوگی،اس لئے نوجوان باصلاحیت اساتذہ کو ہی تربیت دے کر آگے بڑھانا ہوگا،، فرماتے تھے کہ حضرتؒ کی اس رائے کی بعد میں بڑی قدر ہوئی (رشد و ہدایت کے منارص ۱۵۷)

حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ اوران کی کتابوں سے لگاؤ

ماضی قریب کے اکابر میں سے جس شخصیت سے سب سے زیادہ متأثر تھے وہ تھے ہے مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ اس کی کچھ جھلک حضرتؒ کی تقریر وتحریر میں بھی دیکھی جاسکتی ہے، حضرت خود ایک جگہ تحریر کرتے ہیں کہ مجھے اس بات کے اعتراف کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ میری فکر ونظر کو مولانا کی کتابوں نے جلا بخشی ہے، مجھے مولانا اور آپ کی کتابوں سے اتنا تعلق ہوا کہ عربی اوراردو کی اکثر کتابیں خرید کر یا کتب خانے سے حاصل کر کے پڑھی،بعض کتابوں کواس طرح پڑھا کہ عربی اوراس کا ترجمہ دونوں سامنے رکھا ایک ایک قطعہ پڑھتا جاتا اور ترجمہ پرغور کرتا جاتا تھا،اس طرح عربی زبان اوراس کی اردو تعبیر کا ڈھنگ بھی معلوم ہوا شاید اسی تعلق کا نتیجہ تھا کہ فلاح دارین کی درسگاہ والی عمارت کی بنیاد آپ نے حضرت کے دست مبارک سے رکھوائی (حوالا بالا)

والد مرحوم بھی بزرگوں کے قدر دان تھے

حضرت کا بزرگوں سے تعلق ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ چیز آپ کو والد مرحوم سے ورثہ میں ملی تھی، حضرت خود ایک جگہ تحریر کرتے ہیں کہ میرے والد صاحب سکول کے ٹیچر تھے، دینی علوم زیادہ پڑھے نہیں تھے لیکن اخیر تک ان کے عقائد بالکل صحیح اور مضبوط تھے، جو چیزیں حضرت تھانویؒ سے سن رکھی تھیں ان میں وہ اتنے مضبوط تھے کہ اس میں ذراسی بھی رعایت نہیں برتتے تھے، ایک اور مقام پر تحریر کیا کہ والد صاحب حضرت تھانویؒ کی خدمت میں کچھ وقت گذار چکے تھے، اس لئے ہم کو انہوں نے بچپن ہی میں یہ بات سکھادی تھی کہ ہم اپنا جوتا ایسی جگہ نہ اتاریں کہ آنے جانے والے کا پیر اس میں الجھ جائے اور وہ آدمی گر پڑے، اپنا جوتا ایک طرف پر نکالئے، میں چھوٹا تھا تب سے والد صاحب نے ہمیں اس کا عادی بنادیا تھا، یہ حضرت تھانویؒ کی صحبت اور تعلیم کا اثر تھا (رشد وہدایت کے منارص ۱۰۱ بتغیر)

ملفوظات

اہنسا کے اصول پر کون عمل پیرا ہے

(۱) ایک طرف تو دعوی ہیں کہ ہمارے مذہب کی بنیاد دو چیزوں پر ہے ''اہنسا،، اور ''دیا،، ہندی میں عدم تشدد کو ''اہنسا،، کہتے ہیں اور ''دیا،، کے معنی ہیں رحم دلی یعنی ہم کسی کے ساتھ سختی نہیں کرتے بلکہ رحم دلی سے پیش آتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ اس لئے ہم جانوروں کو نہیں کاٹتے کہ یہ رحم دلی کے خلاف ہے،

جانوروں کا تو اتنا خیال کرتے ہیں اور انسانوں کو ہلاک کر رہے ہیں اور وہ بھی کتنی بیدردی سے یہ کیسی پالیسی ہے کہ کہتے کچھ اور ہیں کرتے ہیں کچھ اور ہیں۔

میرے دوستو! ہمارا فرض ہے کہ ہم پوری دنیا میں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو لے کر جائیں اور اس امن کے پیغام کو پوری دنیا میں عام کریں اور بتلائیں کہ ''اہنسا،، اور ''دیا،، کے اصول پر کون عمل پیرا ہے۔

مسلمان قوم کی بے حسی

(۲) اپنے بھائیوں کی مدد کے لئے دل کھول کر سامنے آئیں، مسلمانوں کا حال بہت عجیب وغریب ہے ٹی، وی گھر میں رکھا ہوا ہے اور یہ جو حالات میں بیان کر رہا ہوں ان کو ہم لوگ اپنی آنکھوں سے ٹی، وی پر دیکھتے ہیں کہ ہمارے بھائیوں کے ساتھ کتنا بدترین سلوک کیا جا رہا ہے پھر بھی ہمارا ضمیر بیدار نہیں ہو رہا ہے، جب کسی قوم کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ مصائب آنے کے باوجود رجوع الی اللہ کی توفیق نہیں ہوتی اور اس میں قومی ہمدردی کا جذبہ بیدار نہیں ہوتا تو وہ قوم کبھی مشکلات سے نجات نہیں پا سکتی اور نہ ہی ترقی کر سکتی ہے۔

(۳) مسلمان اتنی غفلت میں ہے اتنی غفلت میں کہ جس کی کوئی انتہا نہیں، ہمارا مدمقابل پوری طرح تیار ہے، اس کے ہاتھوں میں فہرست ہوتی ہے کہ کون سا گھر مسلمانوں کا ہے اس میں کتنے افراد رہتے ہیں کون سی دکان مسلمانوں کی ہے اس میں کتنا اور کس قسم کا مال ہے ساری تفصیلی فہرست لے کر باہر نکل آئے

اور دس منٹ میں قیامت برپا کردی، جان، مال، عزت وآبرو تمام چیزوں کو آن کی آن میں خاک میں ملا دیا، دکانوں میں چار چار کروڑ روپے کا مال تھا منظّم طریقہ سے جلا کر خاکستر کردیا اور مسلمان کو کچھ پتہ نہیں کہ کیا ہورہا ہے، مسلمان رات دن ٹی، وی کے سامنے بیٹھے ہیں، مسلمان نوجوان اپنی دھن میں مگن رہتے ہیں ان کو کچھ پتہ نہیں کہ دنیا میں ہو کیا رہا ہے اور ہمارے خلاف کیسی سازشیں رچی جارہی ہیں، زندہ قومیں بیدار رہتی ہیں ایسی غافل نہیں رہتیں، ذرا میڈیا کی طرف نظر کریں اور غور وفکر سے کام لیں، ان کا ایک آدمی مرتا ہے تو وہ ایک ایک مہینہ تک شور کرتے ہیں اور ہمارے پچاس ہزار آدمی کسی جگہ تڑپ تڑپ کر مرجائیں تو ہمیں احساس تک نہیں ہوتا، ہم اتنا بھی نہیں کرتے کہ کم ازکم افسوس کا ایک خط لکھ کر صدر جمہوریہ اور وزیر اعظم کے نام ارسال کردیں۔

چونکہ میں فسادات کے وقت ہندوستان میں تھا اس لئے میں نے کئی ملکوں میں ٹیلی فون کئے کہ آپ لوگ کم سے کم اتنا تو ضرور کریں کہ ہر شہر سے ہزاروں ٹیلی گرام، فیکس اور ای میل یہاں کی حکومت کو بھیجیں کہ یہ انسانیت کے ساتھ کیا ہورہا ہے، اکیسویں صدی میں انسانوں کے ساتھ یہ برتاؤ آخر کیوں ہورہا ہے، آدمی کی روح تڑپ جانی چاہئے کہ ایک جگہ دو دن کے بعد پھر میں نے فون کیا کہ ہم نے پرسوں فون کیا تھا تو لوگوں میں کچھ حرکت ہوئی یا نہیں؟ انہوں نے چند آدمیوں کے نام لئے کہ فلاں فلاں نے اس پر عمل کیا ہماری بے حسی کا یہ حال ہے، اور وہاں

دیکھئے کہ پچاس ساٹھ ہزار آدمی بیچارے صرف جسم کے کپڑوں کے ساتھ گھر سے نکلے اور آسمان کے چھت کے نیچے پڑے بے کسی کے عالم میں بے یارو مددگار پڑے ہوئے ہیں اور ہم سے اتنا بھی نہیں ہوتا کہ ہم ایسے خطوط بھیجیں، آپ اپنی ناراضگی کا اظہار تو کر سکتے ہیں جب ایک بات غلط ہورہی ہے اور قانون بھی اس کے اظہار کی اجازت دیتا ہے پھر ہم کیوں نہیں کرتے؟

مسلمانوں کی یہ خاموشی، بےحسی اور بےفکری ان کو بہت نقصان پہنچارہی ہے، مسلمانوں کو بیدار رہنا چاہئے، ہمارے نوجوانوں میں ہمت ہونی چاہئے، حکمت عملی ہونی چاہئے غیروں میں جو سمجھدار پڑھا لکھا طبقہ ہے اس کو اپنے قریب کرنا چاہئے اور ایک ٹیبل پر جمع کرنا چاہئے ان سے پوچھنا چاہئے کہ تمہارا ضمیر کیوں تکلیف محسوس نہیں کرتا، تمہارے دو آدمی مرتے ہیں تو تم آسمان زمین ایک کردیتے ہو، یہاں ہزاروں انسان اس طرح تڑپ تڑپ کر مر رہے ہیں اور ان کا کوئی پرسان حال نہیں! ذرا سوچیں کہ وہ بچہ جس پر پٹرول ڈال کر اس کی ماں کے سامنے اس کو زندہ جلادیا گیا، اس بیچارہ نے کس طرح سسک سسک کر جان دی ہوگی اور اس کی ماں کا کیا حال ہوا ہوگا؟ میرے بھائیو! ہم بےحس ہوچکے ہیں جب ہم حساس ہوں گے تب جاکر اوروں میں احساس پیدا کرسکیں گے، اقبال نے کیا خوب کہا ہے ؎

احساس عنایت کر آثار مصیبت میں

اقبال دعا کررہے ہیں الٰہی !اس قوم کواحساس عنایت کر،ان میں احساس تک نہیں بچا ہے۔

اظہار خوشی کا ایک طریق

(۴) میں نے مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کو دیکھا حضرت کے چھوٹے صاحبزادے مولانا ارشد صاحب جب چھوٹے تھے ان کا جب ایک پارہ حفظ مکمل ہوتا تھا حضرت مٹھائی تقسیم فرماتے تھے،جب دوسرا پارہ ختم ہوتا حضرت پھر مٹھائی تقسیم فرماتے ، ہمارے بزرگوں کواس کا بہت اہتمام رہتا ہے کہ میرے بچہ نے ایک پارہ حفظ کرلیا چلومٹھائی تقسیم کریں اور جب ختم قرآن ہوا تو حضرت نے بہت بڑی دعوت کی تھی ،اس سے حفظ قرآن سے ان کی دلچسپی کا اندازہ ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے جب فتح الباری ختم کی تو تین سو علماء کی دعوت کی ،حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے جب بخاری شریف کی شرح مکمل کی تھی تو بہت بڑی دعوت کا اہتمام فرمایا تھا۔

صفائی

(۵)ہمارے یہاں سورت میں پندرہ دن پہلے ایک بہت بڑا جلسہ ہوا،اس میں بہت سے تعلیم یافتہ لوگ تھے،میں نے ان سے کہا کے بڑے دکھ کی بات ہے کہ ہم سب مسلمان ہیں،اس کے باوجود ہم صفائی کا خیال نہیں رکھتے،حالانکہ قرآن کریم کہتا ہے’’ان اللہ یحب التوابین ویحب

المتطهرین ،،اللہ تعالی توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو پسند فرماتے ہیں ادھر حال یہ ہے کہ مسلمانوں کے گاؤں کے گاؤں ،اور محلے کے محلے کچرے سے بھرے ہوتے ہیں، ہمارے بڑے بڑے تعلیمی اداروں کے سامنے دیکھوتو کچرا پڑا ہوتا ہے،قرآن کریم تو یہ کہہ رہا ہے کہ اللہ پاک صاف ستھروں کو پسند کرتا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ ’’نظفوا افنیتکم، تم اپنے صحنوں کو صاف رکھا کرو، حدیث شریف یہ کہہ رہی ہے اور مسلمان اس کے خلاف کررہا ہے، یہ کیسا اسلام ہے؟ قرآن کریم ایک بات کا حکم دے رہا ہے حدیث شریف سے اس کی تائید ہورہی ہے اور ہم اس کے خلاف کررہے ہیں، اب مسلمان کی یہ پہچان بن گئی ہے کہ کسی مسلمان محلّہ میں آپ جائیں گے تو وہاں کچرا پڑا ہوگا، بکریاں بندھی ہوں گی ، پرانی چادریں اور لنگیاں لٹکی ہوں گی، اس سے لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کا محلّہ ہے اور آپ کسی ....محلّہ میں چلے جائیں تو دیکھیں گے کہ وہ بالکل صاف شفاف ہوگا، گھروں کے سامنے گارڈن ہوں گے ان کے گھروں کو آپ بہترین طریقہ سے سجا ہوا پائیں گے،آپ ان کے یہاں کچرا بالکل نہیں دیکھیں گے۔

کل میں یہاں ایک مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے گیا میں نے دیکھا کہ محلّہ میں بہت کچرا پڑا ہوا تھا میں نے سوچا کہ لندن آکر بھی ہمارا دماغ صاف نہیں ہوا، اگر ہماری مسجدوں کے صحن میں مسجدوں سے باہر کچرا پڑا ہوا ہے تو گویا ہم اس

قوم کے سامنے اپنی غلط تصویر پیش کر رہے ہیں، یہ لوگ سوچیں گے کہ یہ قوم اپنے مذہبی مقامات کو بھی صاف ستھرا نہیں رکھتی۔

دو تین سال پہلے کی بات ہے بولٹن میں ہم نماز پڑھ کر باہر نکلے حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ بھی مسجد میں تشریف فرما تھے، حضرت جب باہر نکلے تو دیکھا کہ وہاں کچرا پڑا ہے، حضرت کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ بھائی! اس مسجد کے ٹرسٹی صاحبان میں سے کوئی یہاں موجود ہیں؟ لوگوں نے کہا جی موجود ہے! فرمایا کہ انہیں بلائیے، اب لوگ وہاں جمع ہوگئے، مسجد کے ایک ذمہ دار بھی آگئے حضرت نے ان سے پوچھا کہ آپ اس مسجد کے منتظم ہیں؟ اثبات میں جواب دیا، فرمایا آپ کے گھر کے سامنے یہ کچرا پڑا ہوا ہوتا تو آپ اس کو پسند کرتے؟ وہ کہنے لگے نہیں، حضرت نے فرمایا پھر یہ اللہ کے گھر کے سامنے آپ کو کیوں پسند ہے، چنانچہ سب نے ملکر وہ کچرا صاف کیا۔

مٹنے والوں کی رہی ہمیشہ اونچی منزل

(۶) حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کے یہاں یہ ہر چیز کا ایک وقت متعین ہوتا تھا کہ صبح اتنے بجے چائے ہوگی، اتنے بجے یہ ہوگا اور اتنے بجے وہ ہوگا، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ مولانا علی میاں ندویؒ آئے ہوئے تھے وہ اشراق کی نماز پڑھ رہے تھے اور چائے رکھدی گئی، جب چائے رکھی گئی تو حضرت نے فرمایا کہ بھئی علی میاں کہاں گئے؟ حضرت شیخ کی عادت تیز گفتگو کرنے کی تھی بہت جلدی جلدی بولتے

تھے پوچھا کہ علی میاں کہاں گئے؟ کسی نے بتایا کہ حضرت! وہ مسجد میں ہیں، کہا بلاؤ ،اب ایک آدمی بھاگا ابھی وہ آدمی راستہ ہی میں ہوگا کہ دوسرے آدمی کو دوڑایا اب دوسرا بھاگ رہا ہے پھر تیسرا بھاگا، مولانا علی میاں صاحب نے جیسے ہی سلام پھیرا تو دو تین قاصد موجود پائے، یہ دیکھ کر مولانا بغیر چپل پہنے شیخ کے پاس پہنچ گئے، شیخ نے فرمایا کہ علی میاں! ساری زندگی کی قضا ابھی ہی کرنی تھی؟ یہ جملہ حضرت شیخ مولانا علی میاں سے کہہ رہے ہیں لیکن میں نے دیکھا کہ مولانا علی میاں صاحب کے چہرے پر ناگواری کا کوئی اثر نہیں تھا، ان حالات سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ان لوگوں کو جو اللہ تعالی اس قدر بلندی نصیب فرماتے ہیں تو وہ بزرگوں کے سامنے اپنے آپ کو اس طرح مٹانے سے نصیب فرماتے ہیں۔

یہ بھی اسراف ہے

(۷) لاکھوں روپیئے ہم شادیوں کے پنڈال اور جلسے جلوس میں بے کار خرچ کر دیتے ہیں، بہت سا پیسہ تو قوم کا دین سمجھ کر بے کار خرچ ہو رہا ہے، ایک مرتبہ سورت میں سیرت النبی کا جلسہ ہو رہا تھا اس کے لئے بڑا پنڈال لگایا اور طرح طرح کی لائٹیں لگائی گئی تھیں، مولانا علی میاں صاحبؒ اسٹیج پر تشریف لائے آتے ہی فرمایا کہ یہ کیا اسراف ہے؟ جس نبی کی سیرت کو بیان کرنے کے لئے جلسہ منعقد کیا گیا ہے اس نبی کا امتی پیسوں کو اس طرح برباد کرتا ہے تو پھر یہ سیرت کا جلسہ کہاں ہوا؟ ہماری قوم کو ابھی تک یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ ہمارا پیسہ کس جگہ خرچ ہونا

چاہئے اور کس جگہ نہیں۔

مسلمان رحمت پسند نہ کہ دہشت پسند

(۸)حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ ہمیشہ اس حدیث کی ’’الراحمون یرحمهم الرحمن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء،، اجازت دیا کرتے تھے، پھر فرمایا کہ اس حدیث کو بار بار دہرائیے اور لوگوں سے کہئے کہ ہمارے پیغمبر کی یہ حدیث ہے کہ اللہ جو بہت زیادہ رحم کرنے والے ہیں وہ رحم کرنے والوں ہی پر رحم فرماتے ہیں، اور آپ کا ارشاد ہے کہ ’’ارحموا من فی الارض ،،زمین میں بسنے والی تمام مخلوق پر تم رحم کرو’’یرحمکم من فی السماء،،آسمان والا تم پر رحم کرے گا،، میں نے ٹورنٹو میں نوجوانوں سے کہا کہ حدیث بالا کو انگریزی زبان میں خوبصورت حروف اور بڑے سائز میں لکھوا کر اپنی گاڑیوں پر لگاؤ کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ہم کو یہ بتایا ہے، یہ جو جگہ جگہ بینروں پر لکھا جاتا ہے کہ مسلم آرٹیررسٹ مسلمان دہشت پسند ہیں،تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے نبی نے تو ہم کو یہ تعلیم دی ہے کہ’’ارحموا من فی الارض ،یرحمکم من فی السماء، ،جس کو یہ تعلیم ملی ہو وہ کیسے دہشت گرد اور دہشت پسند ہوسکتا ہے؟ حالات کے مطابق ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چیزیں لینا چاہئے۔

درددل

(۹) ہمارا تو یہ حال ہے کہ ہم اپنے یہاں سے نکلنے والے اخباروں پر بھی نظر نہیں ڈالتے، ہم یہ بھی جاننے کی کوشش نہیں کرتے کہ دنیا میں ہمارے بارے میں کیا سوچا جارہا ہے، اور کیا ہورہا ہے؟ آج سے چند سال پہلے میں یہاں آیا تھا تو میں نے جگہ جگہ جا کر دوستوں سے کہا تھا کہ ہر ایک مدرسہ میں ایک دو عالم تو ایسے مقرر کرو جو یہاں کی صحافت (برطانیہ) پر گہری نظر رکھیں، جو چیز چھپ رہی ہے وہ اس کو پڑھ لیا کریں اور روزانہ اس جگہ پر نشان لگائیں جہاں اسلام کے خلاف کوئی بات لکھی گئی ہو، اگر ہم حالات سے واقف ہی نہیں ہوں گے تو ہم دفاع کیسے کریں گے؟

قومی تباہی کے دوسبب

(۱۰) قوموں کے اندر جب آپس میں اختلافات پیدا ہوجاتے ہیں اور جب قومیں فکری اعتبار سے کمزور ہوجاتی ہیں تو منٹوں میں انہیں ختم کردیا جاتا ہے۔

ہر چیز کا الزام مولوی پر کیوں؟

(۱۱) برطانیہ سے ایک اخبار نکلتا ہے جو پورے برطانیہ میں پڑھا جاتا ہے جن کو اخبار بینی کا ذوق ہے وہ اس کو پڑھتے ہیں ہمیں ان کے اشکالات کا دندان شکن جواب دینا چاہئے، وہ کہتے ہیں کہ یہ مولوی لوگ دنیا میں فساد برپا کرتے ہیں، جہاں دیکھو فساد مولویوں اور پنڈتوں کا ہے، انہوں نے سب جگہ آگ لگا رکھی

ہے،تو کسی نے جواب میں کہا کہ کیا عالمی جنگ مولویوں نے کرائی تھی؟ ۱۹۱۴ء
میں جوفرسٹ ورلڈوار ہواوہ مولویوں اور پنڈتوں نے کروایا تھا؟ پھر سیکنڈ ورلڈ وار
ہوا کیا وہ مولویوں نے کروایا تھا؟ وائٹ ہاؤس پر حملہ مولویوں نے کروایا تھا،۹۰ لاکھ
بچے جو عراق میں تڑپ تڑپ کر مر گئے وہ مولویوں نے مروائے؟ لیکن ہمارے منہ
میں زبان نہیں ہے، ہمارے پاس قلم نہیں ہے،اپنے اندر تیقظ پیدا کرواوران لوگوں
کو جواب لکھو، ہماری طرف سے خطوط جانے چاہئیں کہ کیوں آپ لوگ خواہ مخواہ
علماء کے پیچھے پڑے ہیں؟ علماءتوایک ایسی زندگی کی دعوت دے رہے ہیں جس میں
تمام انسانوں کے لئے راحت ہے۔

(۱۲)مولانا محمد منظور نعمانی نے ’’معارف الحدیث،، میں حدیث پاک کی
تشریح بہت سہل اور آسان انداز میں پیش کی ہے، وہ علماء کے لئے بھی بہت مفید
چیز ہے،خصوصاً نئے مدرس کو تفہیم کا ملکہ سیکھنے کے لئے اس کا مطالعہ ضرور کرنا
چاہئے (رشد وہدایت کے منارص ۱۶۵)

ہمارے اکابر ایسے تھے

(۱۳)ایک ہے علم نبوت اور ایک ہے نور نبوت ،تو علم نبوت کے ساتھ جب
نورنبوت کسی کے قلب میں داخل ہوتا ہے تو پھر وہ غرور نہیں کرسکتا، پھر وہ اپنے آپ
کو بڑھ کر نہیں سمجھتا، وہ دوسروں کو آگے بڑھانے کی کوشش کرتا ہے،حضرت مولانا
محمد رضا اجمیریؒ نے پچاس سال تک دار العلوم اشرفیہ میں بخاری شریف کا درس

دیا ہے،مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری نے خود مجھے سنایا کہ میں جب اشرفیہ پڑھانے گیا تو چند سال کے بعد ایک دن میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے ذکر کیا کہ حضرت !میرا جی چاہ رہا ہے کہ اگر آپ اجازت دیں تو آئندہ سال ترمذی شریف میں پڑھاؤں، حضرت بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ تم شوق سے پڑھاؤ،اور اگر کوئی بات دریافت کرنی ہوتو بلا تکلف میرے پاس آجانا، یہ خود مجھے مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری نے سنایا کہ یہ پہلا شخص ایسا ہے کہ جنہوں نے مجھے کہا کہ آپ شوق سے پڑھائیں،اور مولانا نے کہا کہ جب ایک سال میں نے ترمذی شریف پڑھائی تو دوسرے سال خود انہوں نے مجھے طلب کیا اور فرمایا کہ مولانا آپ نے الحمدللہ ترمذی شریف پڑھالی اب آئندہ سال آپ بخاری شریف جلد ثانی پڑھائیں،اس سے حضرت شیخ اجمیریؒ کی عظمت معلوم ہوتی ہے کہ کتنے بےنفس آدمی تھے (صدائے دل ج۲ص۱۶۸)

چند مفید کتابوں کی نشاندہی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۸/صفر المظفر ۱۴۳۸ھ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون عرض اینکہ بندۂ ناچیز کی رائے یہ ہے کہ نوجوان علماء کو اپنے اسلاف کی سیرت و تاریخ اور ان کے عظیم کارناموں سے واقف کرانے کے لئے جو پروگرام مرتب کیا گیا ہے، اس سلسلہ میں مندرجۂ ذیل کتب منگوا کر احباب کو ان کا مطالعہ کروایا جائے تو بہت نفع کی امید ہے، آں محترم کی رائے اور مشورہ اس کے علاوہ اور کتابوں کے بارے میں ہو تو مطلع فرمادیں، اگر آپ کے حلقہ میں یہ کتابیں ہوں تو ان سے فائدہ اٹھایا جائے نہ ہوں تو مہیا کرنے کی سعی کی جائے، بہرحال اب سنجیدگی سے اس پر غور فرما کر ممنون فرمادیں۔

☆......(۱) سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

☆......(۲) حیاۃ الصحابہ — مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ

☆......(۳) تاریخ دعوت وعزیمت — مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

☆......(۴) سیرت سید احمد شہید — مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

☆......(۵) تذکرہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ

☆......(۶) تذکرہ مجدد الف ثانیؒ

☆......(۷)تذکرۃ الرشید

☆......(۸)تذکرۃ الخلیل

☆......(۹)حیات الامام محمد قاسم النانوتویؒ خدمات، کارنامے

☆......(۱۰)تذکرہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ

☆......(۱۱)تذکرہ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ

☆......(۱۲)نقش حیات مولانا حسین احمد مدنیؒ

☆......(۱۳)تذکرہ مولانا ابوالکلام آزادؒ

☆......(۱۴)مفتی کفایت اللہ شاہ جہاں پوریؒ

☆......(۱۵)سوانح مولانا عبدالرحیم رائے پوریؒ

☆......(۱۶)سوانح مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ

☆......(۱۷)سوانح مولانا احمد سعید دہلویؒ

☆......(۱۸)سوانح مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ

☆......(۱۹)سوانح مولانا محمد علی جوہرؒ

☆......(۲۰)سوانح مولانا ظفر علی خاںؒ

☆......(۲۱)سوانح حسرت موہانیؒ

☆......(۲۲)سوانح مولانا سجاد صاحب بہاری

☆......(۲۳)سوانح مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری

☆......(۲۴) کاروان زندگی مکمل — مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

☆......(۲۵) علماء ہند کا شاندار ماضی — ازمولانا محمد میاں

☆......(۲۶) تذکرہ امام حسن البناء

☆......(۲۷) تاریخ اخوان المسلمین

☆......(۲۸) تذکرہ حکیم عبدالحمید دہلوی

☆......(۲۹) تذکرہ مولانا یوسف بنوریؒ

☆......(۳۰) تذکرہ مولانا عبیداللہ سندھیؒ

☆......(۳۱) تذکرہ مولانا احمد علی لاہوریؒ

☆......(۳۲) تذکرہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

☆......(۳۳) شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ

☆......(۳۴) تذکرہ حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ اوران کے خلفاء

☆......(۳۵) حیات شبلی

☆......(۳۶) سیرت سید سلیمان ندوی

☆......(۳۷) غازی محمود احمد

☆......(۳۸) آپ بیتی — حضرت شیخ الحدیثؒ

☆......(۳۹) اشرف السوانح — حضرت تھانویؒ

☆......(۴۰) تحریک ریشمی رومال

☆......(۴۱)سوانح قاسمی　　　ازمولانا مناظر احسن گیلانیؒ

☆......(۴۲)حیات طیب　　　حکیم الاسلامؒ

☆......(۴۳)حیات مولانا محمد احمد صاحب

☆......(۴۴)حیات مولانا محمد علی مونگیریؒ

☆......(۴۵)یادوں کی امانت

☆......(۴۶)آب کوثر

☆......(۴۷)رود کوثر

☆......(۴۸)موج کوثر

☆......(۴۹)تاریخ اسلام کی عظیم شخصیات

اکابر کی دوراندیشی

فرمایا کہ یہ ہمارے اکابر گجرات کی دوراندیشی تھی کہ گجرات کے بچوں کی مادری زبان گجراتی ہے باوجود اس کے مکتب میں بچوں کے لئے اردو سیکھنے کو لازمی قرار دیا اسی کی برکت ہے کہ ہمارے بچے اردو زبان میں ہونے والے بیانات کو سمجھ لیتے ہیں، ورنہ ہماری عوام اکابر کے علوم سے محروم ہو جاتی، یہی چیز اکابر نے جمعہ وعیدین کے خطبات میں بھی باقی رکھی، ورنہ وہ چاہتے تو بیانات گجراتی زبان میں کرتے، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب نور اللہ مرقدہ
سابق مہتمم جامعہ فاروقیہ، کراچی، پاکستان

سب کو جانا ہے ایک دن

جو یہاں آیا ہے جانا اس کو ہوگا ایک دن

جب فنا ٹھہری تو پھر کیا سو برس کیا ایک دن

کیا پیمبر کیا ولی کیا اہل دولت کیا فقیر

سب کو ہے منہا خلقنکم کا صدمہ ایک دن

آ گیا جب وقت آخر پھر ٹھہر سکتا نہیں

ایک ساعت ایک لحظہ ایک گھنٹہ ایک دن

کھل کھلا لو اور چہچہا لوا ے گلوا ے بلبلو

پھر سے رونا قبر میں سونا خاک ہونا ایک دن

ہیں یہاں مجبور اکبر کیا نبی کیا اولیاء

جانب ملک عدم ہے سب کو جانا ایک دن (اکبرالہ آبادی)

جو انسان دنیا میں آیا ہے وہ جانے ہی کے لئے آیا ہے

یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ اس عالم رنگ و بو میں جو بھی انسان آیا ہے وہ جانے ہی کے لئے آیا ہے، لاکھوں سال گزر گئے موت وحیات کا یہ سلسلہ جاری ہے اور تا ابد جاری رہے گا، قرآن کریم نے اس ابدی حقیقت کو ''کل من علیھا فان، ویبقی وجہ ربک ذو الجلال والاکرام،، اور ''کل شئی ھالک الا وجھہ، ، کے بلیغ انداز میں پیش فرما دیا ہے، ہر چیز کو فنا ہے بقا صرف اور صرف اس

خالق و مالک کے لئے ہے جو ذوالجلال والاکرام ہے، حکیم مشرق نے کہا ہے کہ ۔

اول و آخر فنا ظاہر و باطن فنا

نقش کہن ہو کہ نو منزل آخر فنا

ان سب حقیقتوں اور صداقتوں کو جانتے ہوئے بھی کچھ نفوس قدسیہ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی وفات عالم میں ایک شور برپا کردیتی ہے، اس کی وجہ سے سینکڑوں آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں، اور کئی دل مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگتے ہیں عرصے تک یہ زخم تروتازہ رہتا ہے، انہیں نفوس قدسیہ میں استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحب رحمہ اللہ تھے۔

کوہ ہمالہ آہ! نظروں سے اوجھل ہو گیا

حضرت ماضی کی روشن روایات کے امین، روشن قلب، روشن فکر، روشن خیال، روشن عقیدہ تاریک جدت پسندی کے سامنے بند باندھنے والا کوہ ہمالہ تھے آہ! نظروں سے اوجھل ہو گیا، سات دہائیوں کی مسلسل محنت ستر سالہ مسند آرائی چار دہائیوں کی شاندار قیادت نوے سالہ عمیق روشنی آہ! رخصت ہو گئی۔

بزرگوں کی وراثت کا امین چلا گیا

حکیم الامت کی حکمتوں کا امین، حسینی مدنی فیوضات کی چلتی پھرتی تصویر ، مسیح اللہی نسبتوں کا تاجدار، علم حدیث کا منور مینار، حسن انتظام کا نابغۃ العصر، وفاق المدارس کا صدر نشین، جرأت و غیرت کا مہکتا استعارہ، بیدار مغز، فیض عالم

آہ! چلا گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون.

ملفوظات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ہم کبھی ادا نہیں کر سکتے

حضرت مفتی محمد حسن امرتسریؒ جامعہ اشرفیہ لاہور کے مہتمم تھے، حضرت تھانویؒ کے ممتاز خلفاء میں سے تھے، وہ فرماتے تھے کہ ایک دن میں نے حضرت تھانویؒ سے عرض کیا کہ حضرت! اگر میرے بدن کے ہر بال کو زبان عطا کر دی جائے اور میں ایک ایک روئے اور ایک ایک بال سے جس کو زبان عطا کی گئی ہو اس نعمت کا شکر ادا کروں جو اللہ تعالی نے آپ کے ساتھ تعلق کی شکل میں مجھے عطا فرمائی ہے تو حق ادا نہیں ہوگا۔

حضرت تھانویؒ یہ بات سنکر مسکرائے اور فرمایا کہ یہ حقیقت ہے کیونکہ شیخ کامل سے جب تعلق نصیب ہو جاتا ہے تو وہ ذریعہ بنتا ہے وصل الی اللہ کا ۔

ان سے ملنے کی یہی ہے ایک راہ

کہ ملنے والوں سے رہ پیدا کر

یہ تو بات تھی حضرت تھانویؒ اور ان کے ایک مرید کی، اب آپ اندازہ لگائیے اللہ تعالی نے ہمارا تعلق جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قائم کیا ہے اور ہمیں آپ کی غلامی کی نسبت نصیب فرمائی ہے یہ تعلق اس تعلق سے بڑا نہیں ہے؟ یقیناً ہے، تو اس کا ہم کیسے شکریہ ادا کر سکتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہی ہمیں

ہدایت ملی جو اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس کا شکریہ آدمی زندگی بھرادا نہیں کرسکتا۔

درس وتدریس سے لگاؤ

فرمایا کہ: ۴۹ سال کا عرصہ گذر گیا ہے کہ اسی میں یعنی درس وتدریس میں لگا ہوں، الحمدللہ کبھی دوسرے مشاغل زندگی کو اختیار کرنے کا خیال تو کیا وسوسہ بھی نہیں آیا۔

حق گوئی

ایک مرتبہ حکومت سے فرمایا تھا کہ مدارس عمارتوں اور لائبریوں کا نام نہیں ہے، تم نے اگر ہمارے مدارس کی عمارتوں پر قبضہ کیا اور ہمارے کتب خانے چھین لئے تو ہم میدانوں میں اور درختوں کے سائے میں طلبہ کو لیکر بیٹھیں گے اور اپنا مشن جاری رکھیں گے۔

نہ معلوم ہماری باری کب آتی ہے

حضرت مولانا شمس الحق نور اللہ مرقدہ کی وفات پر فرمایا کہ ان حضرات میں سے اب اکیلا میں ہی رہ گیا ہوں، نہ معلوم ہماری باری کب آتی ہے؟

اس پر حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر نے فرمایا اللہ تعالی آپ کا سایہ تادیر قائم رکھے، جس پر فرمایا کہ بھائی! دنیا قید خانہ ہے اور قید خانہ سے جس کو جتنا جلدی رہائی مل جائے بہتر ہے۔

اس پر حضرت مولانا عبد الرزاق اسکندر گویا ہوئے کہ حضرت! بعض

اوقات بڑے اوراونچے درجہ کے قیدیوں کی موجودگی میں چھوٹے درجہ کے قیدیوں کو بہت سی سہولتیں میسر رہتی ہیں،اس لئے آپ کا وجود مسعود اور سایہ ہم جیسے چھوٹے درجہ کے دنیا کے قیدیوں کے لئے بہت سے فتنوں کا علاج اور راحتوں کا ذریعہ ہے۔

میں نے ایک زمانہ ایسا بھی کراچی میں دیکھا ہے کہ...

آج کل مدارس کی بڑی تعداد اور طلبہ کی کثرت کو دیکھ کر دل خوش ہوتا ہے، میں نے ایک وقت کراچی میں ایسا بھی دیکھا ہے کہ یہاں کے بڑے مدارس دارالعلوم کراچی ، بنوری ٹاؤن، جامعہ فاروقیہ کے دورۂ حدیث کے طلبہ کی تعداد ۲۰۔۲۵ سے زیادہ نہیں ہوتی تھی، بقیہ درجات کی کیا حالت ہوگی آپ خود سوچے اس لئے موجودہ تعداد کو دیکھ کر دل خوش ہوتا ہے۔

شیخین کی زیارت کا شرف

میں نے دارالعلوم دیوبند میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی زیارت کی ہے میں وہاں پانچ سال رہا ہوں، اسی طرح حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی بھی زیارت کی ہے، جن کے علوم کی عظمت اور رفعت انہی کے ساتھ ختم ہو کر رہ گئی ہے۔

بزرگوں کی زیارت وملاقات کا ذکر

مجھے آٹھ سال تک حضرت تھانویؒ کی زیارت اور مجلس میں حاضری کی

سعادت حاصل ہوتی رہی، مولانا مسیح اللہ خاں صاحبؒ کے ساتھ ۱۵ سال تک بڑا مضبوط تعلق رہا، حضرت شیخ الحدیثؒ کی بھی زیارت کی، لیکن آج روشنی کا دور ہے آج ہم نے بزرگوں کے طریقوں کو چھوڑ دیا ہے، آج مولویوں کے ذہنوں میں ٹی، وی ہے، آج دینی تقریبات میں مووی بنتی ہے، مولویوں کی ایسی تصویریں مل جائیں گی کہ جس میں ان کے ساتھ عورتیں بیٹھی ہیں، میں نے بڑے بڑے مفتیوں کو چھری کانٹوں کے ساتھ کھاتے ہوئے دیکھا ہے، میری باتیں کسی کو بری لگے یا اچھی مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے، مجھے ہے حکم اذاں لاالہ الا اللہ۔

کامیاب ہونا چاہتے ہوتو نئی روشنیوں کے چکر میں نہ پڑنا

نئے فضلاء کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر کامیاب ہونا چاہتے ہوتو خدا کے لئے ان نئی روشنیوں کے چکر میں نہ پڑنا، کونوا مع الصادقین،،

حضرتؒ کے درس کی پندرہ خصوصیات

(۱) سبق جتنا بھی طویل ہو کبھی طلباء کو بوریت یا بوجھ کا احساس نہیں ہوتا تھا اللہ تعالی نے فصاحت و بلاغت کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا، دوران درس روانی، تسلسل اور ربط کلام کا گھنٹوں پر محیط طویل سلسلہ کسی بھی مقام پر ٹوٹا ہوا محسوس نہیں ہوتا تھا۔

(۲) افہام و تفہیم کا ملکہ اس قدر قوی کہ مشکل سے مشکل مقام بھی طلبہ کو سمجھنے میں دشواری پیش نہیں آتی تھی، بعض دفعہ حضرت والا بہت ہی مشکل مقام اس طرح حل فرماتے کہ طلبہ ایک دوسرے کو دیکھ کر حیرت کا اظہار کرتے کہ ہم تو اسے

بہت مشکل سمجھتے تھے۔

(۳) آپ کا ایک اصول یہ تھا کہ جیسے ہی درس گاہ میں داخل ہوتے اور جو طالب علم بسم اللہ پہلے پڑھتا وہی عبارت پڑھتا تھا،عبارت پڑھنے والے طلبہ حضرت کے درس گاہ میں داخل ہونے کے لئے دروازے پر نظر جمائے ہوتے۔

(۴) طالب علم حدیث شریف پڑھنے سے قبل امام بخاریؒ تک اس سند سے آغاز کرتا **وبالسند المتصل منا الی الامام الحافظ الحجة امیر المومنین فی الحدیث ابی عبد الله محمد بن اسماعیل بن بردذیة بن بززیة الجعفی البخاری رحمه الله تعالی۔**

(۵) مشکوۃ شریف کی کتاب شروع کرنے سے قبل حضرت والا حدیث کا ایک تحقیقی اور تفصیلی مقدمہ طلبہ سے املاء کرواتے۔

(۶) درس کی ابتداء میں مسئلہ پر تفصیل سے روشنی ڈالتے،فقہاء کے اقوال ومذاہب اور آخر میں ترجیحی قول اور مذہب بیان فرماتے۔

(۷) رواۃ کے احوال،سند میں کلام،الفاظ حدیث کی لغوی تحقیق،دیگر احادیث سے استشھاد اور اعتراضات کے جوابات کا بہت تحقیقی بیان ہوتا۔

(۸) تلاوت حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود ''صلی اللہ علیہ وسلم،،بعض طلبہ جلدی میں پورا نہیں پڑھتے تو حضرت اس پر خاص نوٹس لیتے اور درود شریف مکمل پڑھنے کی تنبیہ فرماتے۔

(۹) سبق کے اختتام پر طلبہ کو سوالات کے لئے وقت دیا جاتا، طلبہ پرچیوں پر سوالات لکھ کر پیش کرتے حضرت ترتیب وار جواب ارشاد فرماتے۔

(۱۰) بعض مواقع پر اپنے اکابر اور اساتذہ کا ذکر اور واقعات سناتے، خاص طور پر شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حکیم الامت حضرت تھانویؒ، اور شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ کا ذکر خیر وقتاً فوقتاً کرتے رہتے۔

(۱۱) درس میں طلبہ کی اخلاقی تربیت پر بھی خاص توجہ فرماتے۔

(۱۲) حضرت کے یہاں نماز اور جماعت کا بہت اہتمام تھا، جب تک آپ کی صحت اچھی تھی آپ خود فجر کی نماز کے لئے طلبہ کو بیدار کرتے، درس میں جماعت کی اہمیت اور نوافل کی ترغیب وقتا فوقتا بیان کرتے، دورۂ حدیث کے طلبہ کو چالیس دن باجماعت پہلی صف میں تکبیر اولی کے ساتھ نماز کا علمی کورس کرواتے۔

جس سال ہم (امام عطاء اللہ خان) مشکوۃ شریف کے درس میں تھے صلوۃ التسبیح کی حدیث آئی تو آپ پر ایک خاص کیفیت طاری ہوئی اور ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جن طلبہ نے صلوۃ التسبیح کی نماز نہیں پڑھی ہیں وہ پہلے صلوۃ التسبیح پڑھیں پھر درس میں آئیں چند طلبہ جنہوں نے نہیں پڑھی تھی ان کو مسجد بھیجد یا اسی دوران میں کلاس میں داخل ہوا تو مجھ سے ارشاد فرمایا کبھی صلوۃ التسبیح پڑھی ہے؟ میں نے عرض کیا حضرت کئی دفعہ پڑھی ہے، فرمایا بیٹھ جاؤ۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ یہ امام حضرات نماز بہت جلدی پڑھاتے ہیں رکوع، سجدے میں اطمینان سے تسبیح بھی مکمل نہیں ہوتی، اس کے بعد اطمینان کے ساتھ نماز پڑھانے پر خاص تاکید فرمائی، اور نماز کے بعد تسبیحات کے عدد کو دائیں ہاتھ کی انگلیوں پر شمار کرنے کے لئے خاص طریقہ سکھایا، بار بار طلبہ کو کر کے دکھایا اور پھر ارشاد فرمایا کہ ہم کل تمہارا امتحان لیں گے اس دن طلبہ نے ہر نماز کے بعد اس طریق پر مشق کی اور سیکھ گئے، دوسرے دن حضرت نے امتحان بھی لیا، الحمدللہ وہ عادت ایسی مضبوط بن گئی ہے کہ آج چھبیس سال گذرنے کے بعد بھی حضرت کے بتائے ہوئے طریق پر عمل کرتا ہوں اور کبھی کبھار مصلے پر اس وجہ سے حضرت یاد بھی آجاتے ہیں۔

(۱۳) دوران درس پان کا شوق بھی پورا فرماتے لیکن نفاست اتنی تھی کہ ہونٹوں اور کپڑوں پر کبھی پان کے نشان ظاہر نہیں ہوئے، ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ پان کھانا اس کے لئے جائز ہے جو ان چار شرائط پر عمل کرتا ہو

(۱) ہونٹوں سے باہر پان نہ بہتا ہو

(۲) کپڑوں پر نشان نہ ہو

(۳) ہر جگہ پیک نہ پھینکتا ہو

(۴) اور اپنا اگالدان خود صاف کرتا ہو۔

پھر ارشاد فرمایا کہ اپنا اگالدان میں خود صاف کرتا ہوں۔

(۱۴) غیر حاضری کے بارے میں اصول یہ تھا کہ جو طالب علم کسی عذر کی وجہ سے غیر حاضر ہو وہ دوسرے دن سبق سے قبل حضرت سے مصافحہ کر لیتا تو اسے سبق میں بیٹھنے کی اجازت مل جاتی تھی۔

(۱۵) سبق میں بوریت نام کی چیز نہیں پائی جاتی تھی، آپ کا سبق خشک نہیں ہوتا تھا، موقع بموقع خوبصورت حکایات، لطائف اور بعض مرتبہ برجستہ اتنے خوبصورت کلمات ارشاد فرماتے کہ طلبہ کے چہروں پر مسکراہٹ آجاتی، ایک مرتبہ مشکوۃ شریف کے درس میں برادرم مولانا انعام الرحمان حجازی سے فرمایا کہ ڈاکٹر عبدالرحمان سے ہماری دوائی لے آؤ، کچھ دیر بعد مولانا انعام الرحمان ایک ہاتھ میں پانی کا گلاس اور دوسرے ہاتھ میں بہت سی گولیاں لیکر آگئے، حضرت نے ڈھیر ساری گولیاں دیکھ کر برجستہ فرمایا کہ اس ڈاکٹر سے کہو کہ ہم نے گولیاں منگوائی ہے ناشتہ نہیں، اس پر طلبہ ہنس پڑے، حضرت نے بھی منہ پر ہاتھ رکھ لیا اور خود بھی ہنس پڑے، **غفرہ اللہ وجنۃ المثواہ** (بروایت امام عطاءاللہ خان)

ملے فردوس میں رفیع کو مقام رفیع
ہے خدا کی رحمت نہایت وسیع

سلام لاجپوری

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب نور اللہ مرقدہ
سابق مہتمم دار العلوم کراچی، پاکستان

سپوت چلا گیا

مفتی شفیع کا سپوت چلا گیا
جاتے جاتے سب کو رلا گیا
تا حیات خدمت دیں کرتا رہا
آئیں جو بھی مشکلات سامنا کرتا رہا
ضعیفی میں بھی حوصلہ جس کا جوان تھا
دور اہتمام واقعی با کمال تھا
صفائی ستھرائی سے سدا ناتا رہا
ہمیشہ وہ گیت اس کے گاتا رہا
حاصل علم میں ان کو پختگی تھی
محبت اکابر دل میں بسی تھی
تقریر و تحریر کی ادا دلنشیں تھی
ہر سو دھوم جس کی مچی تھی
مفتی اعظم کا ملا لقب تھا
نہایت پاکیزہ آپ کا نسب تھا
اہل عمل کا کرتے خوب احترام تھے
اس عمل میں اپنی مثال آپ تھے

ہے دعا سلام کی خدا قبول کرے
صدقے پیارے حبیب کے مقبول کرے
ملے فردوس میں رفیع کو مقام رفیع
ہے خدا کی رحمت نہایت وسیع

(سلام لاجپوری)

خاندان عثمانی

اللہ تعالی اپنے دین کی خدمت کے لئے جیسے افراد کا انتخاب کرتا ہے ویسے ہی خاندان کا بھی انتخاب کرتا ہے، باری تعالی نے ملک پاک و ہند میں جن خاندان کا خدمت دین کی خدمت کے لئے انتخاب فرمایا ہے ان میں ایک خاندان ہے ''خاندان عثمانی،، اس خاندان کا سلسلہ نسب تیسرے خلیفہ جن کا لقب ''ذی النورین،، ہے یعنی حضرت عثمان غنیؓ سے جا ملتا ہے، عثمانی خاندان کی ایک شاخ صاحب معارف القرآن، سابق مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا خاندان ہے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی نسبت سرزمین دیوبند سے ہے گویا علمی سرزمین سے ہے، مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے والد مرحوم دارالعلوم دیوبند کے ہم عمر تھے یعنی جس دن دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی گئی ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء اسی دن حضرت مولانا محمد یاسین صاحب کی ولادت ہوئی تھی گویا وہ دارالعلوم دیوبند کے ہم عمر تھے، بعد میں انہوں نے دارالعلوم دیوبند

میں داخلہ بھی لیا اور عالم دین بنے، مولانا محمد یاسین صاحب حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے ہم سبق تھے، بعد میں تدریسی سلسلہ کا آغاز بھی دارالعلوم ہی میں کیا اور سنا کہ ایک طویل عرصہ تک فارسی کے درجات کے مدرس رہے، بڑی غربت میں زندگی گذرتی تھی پھر بھی اپنی اولاد کو دین کی تعلیم دی، چاہتے تو کسی دنیوی کام پر لگا سکتے تھے تا کہ دو پیسے ملتے مگر ایسا نہیں کیا، بعد میں وہی ہونہار بیٹا یعنی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ دام المدارس دارالعلوم دیوبند کے کامیاب مدرس ہوئے، پھر جب مملکت پاکستان وجود میں آیا تو مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے پاکستان کو اپنا مستقل مسکن بنالیا اور وہاں ایک دینی ادارہ کی بنیاد رکھی جس کا نام دارالعلوم دیوبند کے نام پر ''دارالعلوم کراچی،، تجویز کیا۔

ایں خانہ ہمہ آفتاب است

آپ کو اللہ تعالی نے کثیر الاولاد بنایا تھا، ساتھ اللہ تعالی کا کرم یہ ہوا کہ اللہ تعالی نے آپ کی تمام اولاد کو باصلاحیت بنایا آپ کے ایک صاحبزادے نے بے نقط سیرت رسول اکرم لکھی تو کسی نے شاعری میں اپنا نام پیدا کیا تو کسی نے مملکت پاکستان میں دینی کتب خانہ لگایا، رہی بات آپ کے دو آفتاب وماہتاب صاحبزادگان کی جس سے میری مراد سابق مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی رفیع عثمانی صاحبؒ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی شخصیت ہے تو ان کے علمی ودینی کارناموں سے ایک جہان نہ صرف

واقف ہے بلکہ ان کے علوم سے خوب فیضیاب بھی ہو رہا ہے۔

مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب نور اللہ مرقدہ کا نام تو بندے نے سن رکھا تھا مگر کبھی زیارت وملاقات کا شرف حاصل نہیں ہوا تھا، بندے کو ان سے ملنے کا خوب اشتیاق تھا، ایک روز ایک صاحب نے بتایا کہ حضرت کی برطانیہ آمد ہوئی ہے اور فلاں تاریخ کو وہائٹ چیپل white chapel میں ابراہیم کالج میں حضرت کا بیان طے پایا ہے، چنانچہ وقت مقررہ پر پہنچ گیا وہاں حضرت کا بیان بھی سنا اور بیان کے بعد کچھ دیر آپ کے ساتھ بیٹھنے کا شرف بھی حاصل ہوا، نجی مجلس میں ایک عالم نے عرض کیا کہ حضرت! برطانیہ میں کئی جگہ پارٹ ٹائم مدرسے شروع ہو چکے ہیں جس میں عالمیت کے درجات پڑھائے جارہے ہیں اس کا ایک نقصان تو یہ ہو رہا ہے کہ فل ٹائم مدرسہ پر اس کا اثر پڑ رہا ہے اور دیگر کچھ خدشات کا اظہار کیا اس سے ان کا مقصد حضرت سے رہنمائی حاصل کرنا تھا، حضرت نے اس کے جواب میں فرمایا کہ چھوٹی لائن کے سامنے بڑی لائن کھینچ دو، کام ہو جائے گا۔

اس دن کا خطاب اہل علم حضرات سے تھا، خطاب میں حضرت نے دو باتوں پر خاص زور دیا (۱) علماء مطالعہ کا خوب اہتمام کرے (۲) کسی اللہ والے سے تعلق قائم کرے۔

اللہ والے سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کرے

مطالعہ پر اپنا واقعہ سنایا کہ جب میں دار الافتاء میں تھا تو والد صاحب نے ان

کے پاس ایک سوال آیا ہوا تھا اس کا حوالہ مجھے تلاش کرنے کو کہا اور نشان دہی کی کہ فلاں فلاں الماری میں فلاں کتاب تلاش کرو میں کام میں لگ گیا اس دوران میرے ہاتھ جو کتاب لگتی اس میں سے بعض کتب کا میں وہیں کھڑے کھڑے مطالعہ کر لیتا اس عمل میں مجھے کافی دیر ہوگئی، والد صاحب تشریف لائے اور میرے اس ذوق کی تعریف کی، فرمایا کہ میری چاہت بھی یہی تھی کہ تمہیں مطالعہ کا ذوق پیدا ہو اس کی چاشنی تم چکھو اسی لئے میں نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ فلاں کتاب فلاں جگہ رکھی ہے، اس طرح والد مرحوم نے میرے اندر مطالعہ کا ذوق پیدا کیا۔

دوسری بات کے تعلق سے حکیم الامت، مجدد الملت حضرت تھانویؒ کا ملفوظ ذکر کیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ حضرت نے اپنے دور میں فرمایا تھا کہ اہل اللہ کی صحبت فرض عین ہے، جب اس زمانے میں فرض عین فرمایا تو ہمارے دور میں تو اس کی کتنی ضرورت ہوگی، یہ میری حضرتؒ سے اکلوتی ملاقات تھی۔

مشکل کام

فرمایا کہ جتنی محنت قاعدہ، ناظرہ وحفظ پڑھانے والا استاذ کرتا ہے شاید درس نظامی کا کوئی استاذ اتنی محنت کرتا ہو، ایک بچہ جو بالکل ناسمجھ ہوتا ہے اس کی زبان پر ایک اجنبی زبان کے الفاظ چڑھانے ہوتے ہیں، وہ بچہ اس مرحلہ میں ہے کہ ابھی تک اس نے اپنی مادری زبان کو بھی بولنا نہیں سیکھا اور اس کو ض، ظ، ذ اور ز میں فرق سکھاتا ہے، یہ کتنا مشکل کام ہے، حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ مجھ کو سب

سے مشکل کام بچوں کو قاعدہ پڑھانا معلوم ہوتا ہے۔

اس کا عملی تجربہ مجھے اس طرح ہوا کہ حضرت والد صاحبؒ دیوبند میں صدر مفتی تھے، وہ مجھے اپنے ساتھ دارالافتاء لے جاتے تھے، اس زمانے میں بغدادی قاعدہ ہوتا تھا، والد صاحب نے دارالافتاء میں مجھے پڑھانا شروع کیا، بڑے لاڈ پیار کے ساتھ مجھے پڑھاتے رہے کئی تختیاں گذر گئیں، جب تشدید کی تختی آئی تو حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا دیکھو! یہ تشدید کی تختی ہے جس حرف کے اوپر تشدید ہو اس کو دو مرتبہ پڑھا جاتا ہے تو ''ب،، کے اوپر تشدید تھی، میں نے پڑھا ''ابَب،، وہ کہنے لگے کہ ملا کر پڑھتے ہیں، میں نے پڑھا ''اب،، کہنے لگے نہیں، ملا کر پڑھتے ہیں تو میں نے پڑھا ''ابَبْ،، حضرت والد صاحبؒ نے مجھے ایک تھپڑ رسید کیا، وہ زندگی میں پہلا اور آخری تھپڑ تھا، میں اتنا رویا اور اتنا شور مچایا کہ حضرت والد صاحب مجھے تھپڑ مار کر پچھتائے۔

سلام کی برکت

سنت ہے کہ جو مسلمان ملے اسے سلام کرو، خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، جان پہچان والا ہو یا اجنبی، اگر آپ کسی بس یا ٹرین میں سوار ہونے کے بعد اپنی سیٹ پر سلام کہہ کر بیٹھ گئے یا کسی مجلس میں سلام کہہ کر داخل ہوئے تو السلام علیکم کی برکت سے ماحول آپ کا ہو جائے گا، تجربہ کر کے دیکھ لیجئے، بچپن میں میری جان تو پٹائی سے السلام علیکم کی وجہ سے بچی تھی، واقعہ کچھ یوں ہے کہ دیوبند میں ہمارے محلّہ کی مسجد کے

امام تھے مولانا محمد ختنی ترکستانی، محلے کے دس بارہ بچے جس میں میرے بڑے بھائی بھی شامل تھے، مسجد میں شرارت کررہے تھے، اس وقت میری عمر تقریباً چھ، سات سال تھی، امام صاحب نے کئی بار ٹوکا مگر لڑکے باز نہ آئے، دوتین مرتبہ کی تنبیہ کے بعد امام صاحب بھاگتے ہوئے ہماری طرف آئے جو بڑے لڑکے تھے وہ مسجد کے ستون کے گرد گھوم گھوم کر سب باہر نکل گئے، میں چھوٹا تھا بھاگ نہ سکا جیسے ہی امام صاحب میری طرف لپکے میں نے کہا ''السلام علیکم،، سلام سن کرانھوں نے مجھے تھپکی دی اور شفقت سے سر پر ہاتھ پھیرا اور چھوڑ دیا، میرے دل پر تو نقش اس وقت سے بیٹھا ہوا ہے کہ ''سلام،، کہنا کیسی بڑی نعمت ہے۔

میں طالب علم ہوں

فرماتے تھے کہ میں طالب علم ہوں اور طالب علمی کو اپنے لئے سرمایۂ نجات سمجھتا ہوں اور سرمایۂ حیات بھی، طلبہ کی برادری مساکین کی برادری ہے، اور مساکین ہی کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی تھی

اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین

اے اللہ! مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھ اور مسکینی کی حالت میں میری موت ہو اور میرا حشر بھی مساکین کے ساتھ ہو۔

والد صاحب غالبًا اسی دعا کی روشنی میں فرمایا کرتے تھے کہ یا

اللہ! میرا جینا بھی طلبہ کے ساتھ ہو میرا مرنا بھی طلبہ کے ساتھ ہو اور میرا حشر بھی طلبہ کے ساتھ ہو، اللہ تعالی نے ان کی دعا قبول فرمائی، آخر وقت تک دار العلوم کراچی کے احاطے میں دار العلوم کے مکان میں قیام رہا، دار العلوم ہی میں نماز جنازہ پڑھی گئی ان کی قبر پر طلبہ نے مزدوروں کو ہاتھ نہیں لگانے دیا، خود طلبہ نے ان کی قبر تیار کی، ایسی صاف قبر بنائی کہ ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ میں نے کبھی ایسی صاف قبر نہیں دیکھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ طلبہ نے اپنی آنکھوں کی پلکوں سے اس کی صفائی کی ہے، ان کا جنازہ بھی طلبہ نے اٹھایا تھا اور طلبہ ہی نے انہیں سپرد خاک کیا تھا، جنازہ میں اتنا ہجوم تھا کہ جنازہ کی چارپائی پر لمبے لمبے بانس باندھے گئے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انسانوں کے سمندر میں وہ جنازہ تیرتا ہوا جا رہا ہے۔

آخری ایام میں ایک مرتبہ یہ خبر مشہور ہوگئی کہ والد صاحب کا انتقال ہو گیا ہے ملک و بیرون ملک سے خطوط، ٹیلی فون اور تار کا ایک تانتا بندھ گیا، سب جگہ سے تعزیتی خطوط آنا شروع ہوگئے، والد صاحب کو جب اس بات کا علم ہوا تو فرمایا کہ مجھے ایک بات کی خوشی ہوئی کہ الحمدللہ، ثم الحمدللہ، اللہ تعالی کے نیک بندے مجھ سے کتنی محبت کرتے ہیں، اللہ والے کسی سے محبت کریں تو یہ فال نیک ہیں، طلبہ اور مدرسہ کے اساتذہ مجھ ناچیز سے ایسی محبت کریں تو میرے لئے یہ فال نیک ہے، مجھے اللہ رب العزت سے قوی امید ہے کہ وہ میری کمزوریاں جن سے میں واقف ہوں اور میرا رب واقف ہے ان شاء اللہ ان اللہ والوں کی محبت اور حسن ظن

سے اللہ تعالیٰ ان کمزوریوں کی بھی اصلاح فرمادے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ میری زندگی کے عزیز ترین، محبوب ترین اور لذیذ ترین لمحات وہ ہوتے ہیں جو میرے طلبہ کے ساتھ گذرتے ہیں، دار العلوم کی تمام انتظامی ذمہ داریوں کا بوجھ مجھ پر ہے، فتویٰ کی ذمہ داری مجھ پر ہے، ملک کے نجانے کتنے اداروں، کتنی کونسلوں، کتنے بورڈوں اور کتنی کمیٹیوں کا رکن ہوں، ان کے اجلاس ہوتے ہیں، ان کے لئے بھی محنت وتیاری کرکے ان میں شریک ہونا پڑتا ہے، غیر ملکی سفروں کا بھی ایک سلسلہ جاری رہتا ہے، ان سب مصروفیات کے باوجود میں نے اپنا تدریسی سلسلہ ختم نہیں کیا، ۱۹۶۰ء سے یہ سلسلہ شروع ہوا تھا، اب ۲۰۰۳ء ہے، اللہ کا شکر ہے مجھے یہ خدمت انجام دیتے ہوئے ۴۳ سال ہوگئے، درس نظامی کی تمام علوم وفنون کی کتابیں ابتداء سے انتہا تک پڑھانے کی اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی، میرے مرشد حضرت ڈاکٹر عبد الحیؒ صاحب عارفیؒ نے اس زمانے میں مجھ سے کہا بھی جب میری صحت بار بار بگڑ رہی تھی اور کاموں کا تحمل نہیں ہورہا تھا کہ اسباق چھوڑ دو، میں نے عرض کیا کہ حضرت! مجھے اجازت دیجئے کہ کم از کم ایک درس برقرار رکھوں، فرمایا کہ اجازت ہے لیکن اپنے تحمل کو دیکھو اللہ کا شکر ہے آج تک تدریس کا سلسلہ جاری ہے، مسلم شریف کا درس مجھ سے متعلق ہے، میں نے اس خواہش کا اظہار اس لئے کیا کہ میں واقعۃً کہتا ہوں کہ میری زندگی کا لذیذ ترین وقت وہ ہوتا ہے جو طلبہ کے درمیان گذر جائے، ان سے باتوں میں

گذرے یا ان سے خطاب میں گذرے، یہ میری روح کی غذا ہے اور میری دعا بھی یہی ہے کہ **اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین**

جنم روگ

جو علماء کرام ہے سب کے لئے حضرتؒ کی زندگی سے ایک چیز جو سیکھنے کی ہے وہ یہ کہ ہم سب خود کو تادم حیات طالب علم سمجھے اور علم کی طلب میں لگے رہیں اور اس نسبت کو اپنے لئے باعث سعادت تصور کرے، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی دورۂ حدیث کی تکمیل کرتا ہے تو عام طور سے اس کے لئے ایک لفظ استعمال ہوتا ہے''فارغ التحصیل،، مجھے یہ لفظ اچھا نہیں لگتا کیونکہ''فارغ التحصیل،، کے لفظی معنی یہ ہیں کہ اب یہ تحصیل علم سے فارغ ہوگئے یعنی جو کچھ علم حاصل کرنا تھا وہ پورا ہوگیا اب اس کے بعد فراغت ہے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ اس کا اصطلاحی مفہوم نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ تحصیل علم تو ایسی چیز ہے جو مہد سے لحد تک چلتی ہے اور انسان زندگی کے کسی بھی مرحلے میں اپنے آپ کو طلب علم سے مستغنی نہیں کرسکتا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ جل جلالہ نے فرمایا''**قل رب زدنی علما**،، آپ یہ دعا کیجئے کہ اے پروردگار میرے علم میں اضافہ فرمائیے،، وہ ذات اقدس جو علوم اولین وآخرین کی جامع تھی ان سے زیادہ اس کائنات میں کوئی اعلم پیدا نہیں ہوا ہے نہ آئندہ ہوگا

ان کو بھی اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ یہ دعا کرتے رہا کرو اے میرے پروردگار! میرے علم میں اضافہ فرما، لہذا در حقیقت جب ہم دورۂ حدیث کی تکمیل کرتے ہیں تو یہ علم سے فراغت نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک جنم روگ ہے کہ زندگی بھر کے لئے اس کی ذمہ داری ہمارے اوپر عائد ہوتی ہے، علم سے کبھی فراغت نہیں ہوتی، علم کی طلب کبھی ختم نہیں ہوتی اور مرتے دم تک جاری رہتی ہے، ہمارے تمام سلف صالحین اور اکابر علماء نے کبھی بھی اپنے آپ کو مکمل عالم نہیں سمجھا ہمیشہ اپنے آپ کو طالب علم سمجھتے رہے۔

تاسیس دارالعلوم کراچی

حضرت دارالعلوم کراچی کے مہتمم تھے، دارالعلوم کراچی کیسے وجود میں آیا، اس کی مختصر تفصیل یوں ہے کہ ہجرت پاکستان کے بعد حضرت مفتی اعظمؒ نے دو کاموں کو اپنا مقصد زندگی بنالیا تھا۔

(۱) پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے جدوجہد

(۲) کراچی میں یہاں کے شایان شان دارالعلوم کا قیام

ابتدائی دو سال تو قرارداد مقاصد اور اسلامی دستور کی جدوجہد جو انتہائی بے سروسامانی میں ہورہی تھی اس کی مشغولیت اتنی رہی کہ دارالعلوم کے قیام میں کامیابی نہ ہوسکی، فتاوی کا مشغلہ دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہونے کے بعد بھی آپ کا جزو زندگی بنا رہا مگر اس عرصہ میں جو فتاوی لکھے گئے وہ کسی رجسٹر میں نقل کئے بغیر روانہ کردیئے جاتے تھے، نقل کا کوئی انتظام نہ تھا البتہ نہایت اہم اور منتخب فتاوی آپ

خود ہی ایک رجسٹر میں نقل فرمالیا کرتے تھے، جیکب لائن سے آپ کی رہائش آرام باغ کے قریب ایک کرایہ کے مکان میں منتقل ہوئی تو مسجد باب السلام کے احاطہ میں دروازہ کے اوپر آپ نے ایک کمرہ دارالافتاء کا تعمیر کرایا تا کہ فتوی حاصل کرنے والوں کو سہولت ہو، نقل فتوی اور دارالافتاء کے انتظام کے لئے ایک صاحب کو تنخواہ پر رکھ لیا اور فارسی وعربی کی ابتدائی کتابیں پڑھانے کے لئے مولانا فضل محمد سواتی اور مولانا امیر الزماں کشمیری کو مقرر فرمایا، یہ دونوں حضرات حضرت مفتی صاحب کے شاگرد تھے، اسی سال اللہ تعالی نے ایسے اسباب پیدا فرمائے کہ محلّہ نانک واڑہ میں سکھوں کے زمانے کے ایک اسکول کی خالی عمارت دار العلوم کے لئے الاٹ کی گئی، حضرت مفتی صاحب نے اپنے داماد مولانا نور احمد صاحب کو ساتھ لے کر چندے کی اپیل یا ساز وسامان کے بغیر نہایت سادگی سے اس عمارت میں مدرسہ قائم فرما دیا، ایک استاذ اور چند طلبہ سے اس مدرسہ کا محض اللہ کے بھروسہ پر آغاز ہوا، اس وقت تک کراچی میں مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کے سوا کوئی مدرسہ نہیں تھا، پورے پاکستان میں گنے چنے ہی مدارس تھے، علوم دینیہ کے طلبہ پریشان تھے یہ مدرسہ کھلا تو ملک کے اطراف واکناف سے طلبہ آنے شروع ہو گئے اور چند مہینے کے اندر اندر یہی مدرسہ ''دار العلوم کراچی،، بن گیا، اب دارالافتاء بھی یہیں منتقل ہو گیا، حضرت مفتی صاحب کا جو وقت دستوری جدوجہد سے بچتا تھا وہ درس وفتوی اور دار العلوم کی انتظامی نگرانی میں صرف ہوتا تھا، آپ دار العلوم کے صدر تھے اور آخر تک صدر

رہے، مولانا نور احمد صاحب دارالعلوم کے سب سے پہلے ناظم تھے وہ دارالعلوم کا انتظام کئی سال تک چلاتے رہے، دارالعلوم کے ہر شعبہ میں کام جس تیز رفتاری سے بڑھ رہا تھا اس کے سامنے موجودہ عمارت بہت تنگ محسوس ہونے لگی، ادھر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی وفات کے بعد حضرت مفتی صاحب کی دلی تمنا تھی کہ ان کی یادگار کے طور پر ان کے شایان شان دارالعلوم قائم ہو، اس کے لئے وہ احاطہ زمین جس میں حضرت شیخ الاسلام کا مزار ہے شب و روز کی جدوجہد سے باضابطہ حاصل فرمایا اور دارالعلوم کو وہیں منتقل کرنے کے خیال سے نقشہ منظور کرا کے تعمیر کا کام شروع کرادیا مگر بعض لوگوں کی مزاحمت کے باعث کھودی ہوئی بنیادیں اس حال میں محض جھگڑا ختم کرنے کے لئے چھوڑ کر نانک واڑہ تشریف لے آئے، حکومت اور رفقاء کار نے بہت زور دیا کہ تعمیر جاری رکھی جائے مگر حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ دارالعلوم بنانا فرض کفایہ ہے اور مسلمانوں کو جھگڑے سے بچانا فرض عین ہے فرض عین کو چھوڑ کر فرض کفایہ میں لگنا دین کی صحیح خدمت نہیں میں جھگڑا مول کر یہاں ہرگز دارالعلوم نہیں بناؤں گا، تھوڑے ہی عرصہ بعد اللہ تعالی نے کورنگی میں حضرت مفتی صاحبؒ کو چھپن ایکڑ زمین دار العلوم کے لئے عطا فرمادی، جدید تعمیرات بقدر ضرورت مکمل ہو جانے کے بعد دارالعلوم یہاں منتقل فرمادیا اور نانک واڑی عمارت میں دارالعلوم کے چند شعبے رہ گئے۔

آئین جواں مردی حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی (علامہ اقبالؒ)

نام تھا مفتی زرولی اور تھے وہ اللہ کے ولی
ہے ہماری دعا پائے وہ جنت میں مقام عالی (سلام لاچپوری)

کہتے اور لکھتے تھے وہی سمجھتے تھے جسے حق
تھے اہل حق کے ترجمان کہتے تھے ہمیشہ حق (سلام لاچپوری)

حضرت مولانا مفتی زرولی خان صاحب رحمہ اللہ،
سابق مہتمم جامعہ احسن العلوم کراچی، پاکستان

شمع ہوگی جہاں پروانہ وہاں پہنچے گا

تم کہیں ہو دل دیوانہ وہاں پہنچے گا
شمع ہوگی جہاں پروانہ وہاں پہنچے گا (بہادر شاہ ظفر)

حضرت مفتی زرولی خان صاحب کی شخصیت میں ایسا جادو تھا کہ آپ جہاں بیٹھ جاتے وہ جگہ مدرسہ میں تبدیل ہو جاتی، علم کے پروانے شمع کے گرد جمع ہو جاتے، میرا ایک رفیق جس کی رہائش باٹلی میں ہے کا بیان ہے کہ چند سال پہلے وہ عمرہ کے سفر پر تھا، عمرہ سے فراغت پر مدینہ منورہ حاضری دی، مسجد نبوی میں ایک جگہ نظر پڑی تو دیکھا کہ ایک بزرگ تشریف فرما ہیں اور لوگ ان کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں (مسجد نبوی میں اس طرح کا منظر وہاں کی انتظامیہ برداشت نہیں کرتی، اگر اس طرح دیکھتی ہے تو سب کو الگ تھلگ کر دیتی ہے اس قصہ میں بھی بعد میں ایسا ہی ہوا) خیر، رفیق مکرم نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ یہ بزرگ شخصیت حضرت مفتی زرولی خان صاحب ہے، رفیق مکرم نے انٹرنیٹ کے توسط سے ان کے بیانات سن رکھے تھے ایک طرح سے حضرت کا غائبانہ تعارف تھا، جب اس نے سنا کہ یہ شخصیت کوئی اور نہیں حضرت مفتی زرولی خان صاحب کی ہے تو اس کی تو خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، اس نے موقع کو غنیمت جانا اور حضرت کی خدمت میں جا کر بیٹھ گیا۔

آپ بیمار زیادہ رہتے ہو

حضرت کی جوں ہی رفیق مکرم پر نظر پڑی تو چہرہ دیکھتے ہی حضرت نے اس سے فرمایا کہ آپ کا چہرہ دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ آپ بیمار زیادہ رہتے ہو، اس پر اس نے حامی بھری، بعدہ اس نے حضرت سے عرض کیا کہ نیٹ کے توسط سے میں آپ کے بیانات سنتا ہوں بیانات میں آپ جو بزرگوں کے واقعات سناتے ہیں اس سے بڑی خوشی ہوتی ہے، اس پر حضرت نے فرمایا کہ ہاں میرا حال بھی یہی ہے کہ جب میں اپنے بزرگوں کے حالات بیان کرتا ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ مجھ پر اللہ تعالی کی رحمت نازل ہورہی ہے اللہ تعالی کی رحمت نے مجھے ڈھانپ لیا ہو (اضافہ۔ بزرگوں کا مقولہ بھی ہے کہ ''عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة،، من فوائد ذکر الصالحین ومحبتهم رضی الله عنهم صلاح القلب ونزول الرحمه،،

قال الامام احمد بن حنبل رحمه الله

سمعت سفیان بن عیینةؒ یقول تنزل الرحمة عند ذکر الصالحین

وقال الثوری رحمه الله عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة

علم والوں کو کبھی موت نہیں آتی

زندگی جن کی گذرتی ہے اجالوں کی طرح
لوگ یاد رکھتے ہیں انہیں مثالوں کی طرح
علم والوں کو کبھی موت نہیں آتی
وہ زندہ رہتے ہیں کتابوں کے حوالوں کی طرح

غلام حسین آفاق بنارسی کا شعر ہے۔

کہیں گیا نہ بنارس کو چھوڑ کر آفاق
مگر پہنچ گئی شہرت کہاں کہاں میری

ملفوظات

ایمان کی دعوت آسان اور صاف ستھری ہوتی ہے، نہ تقدیر کا مسئلہ، نہ ختنہ کا مسئلہ، ختنہ سنت پردہ فرض، جب تصادم ہو فرض مقدم ہوگا۔

مثال نمبر ایک۔ پیشاب کرنا ہے پردہ والی جگہ نہیں ہے تو کھڑا کھڑا پیشاب کرے گا، کیونکہ ستر چھپانا فرض ہے۔

مثال نمبر دوم۔ عورت عدت میں ہے اس نے عدت میں بیٹھنے سے پہلے جبکہ اس کا شوہر زندہ تھا حج کے لئے فارم پر کیا تھا اس کا نمبر لگ گیا تو وہ حج پر جائے گی کیونکہ عدت میں بیٹھنا واجب ہے اور حج پر جانا فرض ہے، اب حالات پہلے جیسے نہیں ہے۔

حضرت مولانا یوسف متالا نور اللہ مرقدہ

سابق مہتمم دارالعلوم العربیۃ الاسلامیہ، بری، یو۔کے

ذیل کا مضمون بندے نے حضرت کی رحلت پر لکھا تھا من وعن پیش خدمت ہے۔

سکون قلب تھا سب کے لئے دیدار یوسف کا

یہاں چھوٹا بڑا ہر کوئی تھا بیمار یوسف کا

ہے کیا دارالعلوم؟ اک خانقاہ حضرت والا

یہی پونجی تھی یوسف کی، یہی گھر بار یوسف کا

بلاشک قاسم ثانی تھا یورپ کے لئے یوسف

یہی کہنے کو بس اک نام تھا حقدار یوسف کا

دعا بھی ہے مری اللہ سے امید بھی نادر

رہے گا لہلہا تا حشر تک گلزار یوسف کا (نادر لاجپوری)

سچ پوچھئے تو بزم کی رونق چلی گئی

مصائب اور بھی تھے پر ان کا جانا
عجب اک سانحہ سا ہو گیا ہے
کہنے کو گل ہوا ہے فقط اک ہی چراغ
سچ پوچھئے تو بزم کی رونق چلی گئی
ادا کرکے قرض اپنی خدمات کا
سحردم وہ جاگا ہوا رات کا
ابد کے نگر کو روانہ ہوا
مکمل سفر کا فسانہ ہوا

ہے راہ عدم کی کتنی ہموار

ثبات کس کو ہے دنیا کے کارخانے میں
ہراک چیز ہی فانی ملی زمانے میں
ہے راہ عدم کی کتنی ہموار انیس
آنکھ بند کیئے لوگ چلے جاتے ہیں
آپ کے جانے سے چھائی ہے اس طرح خزاں
ہر کلی نوحہ گر ہر پھول کے آنسوں رواں

شق ہے ان کے غم سے دل، ہر آنکھ ہے غم سے اشک بار
ان کی رحلت سے ہوا ہے برطانیہ سوگوار

خدا کا نام لئے جاؤ کام آئے گا

اس عالم رنگ و بو میں جو بھی انسان آیا ہے وہ جانے ہی کے لئے آیا ہے، ہر ایک کو ایک دن موت کا جام پینا ہے، اکبر الہ آبادی کا شعر ہے۔

ہر اک کو موت کا اک دن پیام آئے گا
خدا کا نام لئے جاؤ کام آئے گا

ایسی رحلت پر ایک عالم سوگوار ہوتا ہے

کندہ کسی کا نگینے پہ نام ہوتا ہے
کسی کی عمر کا لبریز جام ہوتا ہے
عجب سرائے فانی ہے دنیا کے یہاں شام وسحر
کسی کا کوچ اور کسی کا مقام ہوتا ہے (مرزا دبیر)

دنیا میں روزانہ سینکڑوں اموات ہوتی ہے، ان میں چند ایک ہی ایسے اشخاص ہوتے ہیں جن کی رحلت پر ایک عالم سوگوار ہوتا ہے، اور جانے والے کی کمی کو خوب محسوس کیا جاتا ہے، ایسی ہی ایک ہستی ہمارے درمیان سے دس محرم الحرام ۱۴۴۱ھ کو پردہ فرما گئی جس سے میری مراد یادگار اسلاف، استاذ الاساتذہ، محسن قوم وملت، سر زمین برطانیہ کے مسلمانوں کی آن، بان، شان قطب الاقطاب، قطب العالم، برکۃ

العصر، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کے لاڈلے، معتمد و منظور نظر حضرت مولانا یوسف متالا صاحب کی ذات گرامی ہے، **انا للہ وانا الیہ راجعون.**

اہل خانہ کے دلوں پر کیا گذری ہوگی.......

ویسے تو آپ سے آشنا ہر ایک شخص چاہے وہ دنیا کے کسی خطہ میں ہو آپ کے انتقال سے مغموم و غمگین ہے، مگر حضرت مولانا مرحوم کے اہل خانہ کے دلوں پر کیا گذری ہوگی اس کیفیت کو تو **علیم بذات الصدور** ہی جانتا ہے، اہل خانہ کی حالت تو بقول شخصے ؎

جس دن سے جدا وہ ہم سے ہوئے
اس دل نے دھڑکنا چھوڑ دیا
ہے چاند کا منہ اترا اترا
تاروں نے چمکنا چھوڑ دیا
وہ پاس ہمارے ہوتے تھے
بے رت بھی بہار آجاتی تھی
اب لاکھ بہاریں آئیں بھی
تو دل نے مہکنا چھوڑ دیا

خواب

سورۂ یونس میں ارشاد باری ہے ''الذین آمنوا و کانوا یتقون، لھم البشری فی الحیوۃ الدنیا وفی الآخرۃ،،

ترجمہ۔ وہ ایسے لوگ ہیں جو ایمان لائے اور تقوی شعار رہے، ان کے لئے دنیا کی زندگی میں (بھی عزت ومقبولیت) کی بشارت ہے اور آخرت میں (بھی مقبولیت و بشارت کی) یا دنیا میں بھی نیک خوابوں کی صورت میں پاکیزہ روحانی مشاہدات ہیں اور آخرت میں بھی حسن مطلق کے جلوے اور دیدار، قرآن مجید کی تمام تفاسیر میں ہے کہ ''بشارت،، سے مراد ''نیک خواب،، ہیں جو اللہ تعالی ایمان والوں کو عطا کرتا ہے، امام ابن جریر طبری سے لے کر علامہ آلوسیؒ تک تمام مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ ''بشری،، سے مراد وہ نیک خواب ہیں جو ایمان والے دیکھتے ہیں۔

قرآن کریم کے متعدد مقامات میں مختلف نوعیّتوں سے خواب کا تذکرہ کیا گیا ہے اور احادیث میں بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قدرے تفصیل بیان فرمائی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خواب کا وجود حق ہے، انبیاء کرام کے علاوہ دیگر افراد کا خواب اگرچہ حجت شرعی نہیں تاہم یہ فیضان الوہیت اور برکات نبوت سے ہے۔

اچھا خواب اللہ تعالی کی طرف سے بشارت اور خوشخبری ہوتی ہے کہ بندہ خوش ہو اور اس کا وہ خواب اللہ تعالی کے ساتھ امید آوری کا باعث اور شکر خداوندی میں

اضافہ کا موجب بنے۔

برصغیر کے مایہ ناز محدث حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اچھے اور بہتر خواب کی نو صورتیں بیان کی ہیں۔

(۱) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنا

(۲) جنت یا جہنم کو خواب میں دیکھنا

(۳) نیک بندوں اور انبیائے کرام علیہم السلام کو خواب میں دیکھنا

(۴) مقامات متبرکہ جیسے بیت اللہ (یا پھر عام مساجد) کو خواب میں دیکھنا

(۵) آئندہ پیش آنے والے واقعات کو خواب میں دیکھنا، پھر وہ واقعہ ویسا ہی رونما ہو جیسا اس نے دیکھا ہے

(۶) گذشتہ واقعات کو واقعی طور پر خواب میں دیکھنا مثلاً دیکھا کہ کسی کا انتقال ہو گیا پھر انتقال کی خبر آئی

(۷) کوئی ایسا خواب دیکھنا جو کوتاہی پر آگاہ کرے، مثلاً دیکھا کہ کتا اس کو کاٹ رہا ہے اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ غصیلا ہے، اپنا غصہ کم کرے

(۸) انوار اور ستھرے کھانوں کو خواب میں دیکھنا مثلاً دودھ، شہد، اور گھی کا پینا

(۹) ملائکہ کو خواب میں دیکھنا (حجۃ اللہ البالغۃ ج ۲ ص ۲۵۳)

یہ تو ہوئی خواب کے تعلق سے چند باتیں۔

تعبیر خواب

اب رہا خواب کی تعبیر کا مسئلہ تو ہر کس و ناکس خواب کی تعبیر کا علم نہیں رکھتا، ترمذی شریف میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ خواب یا تو حبیب سے بیان کرو یا لبیب سے یعنی خواب کی تعبیر ان دو سے معلوم کرو کسی تیسرے سے نہیں، حبیب (دوست) محبت کی وجہ سے خواب کی اچھی تعبیر دے گا اور لبیب یعنی خواب کی تعبیر کا علم رکھنے والا صحیح علم رکھنے کی وجہ سے، علماء کرام کی صف میں بھی ہر ہر عالم خواب کی تعبیر کا علم نہیں رکھتا، مگر عوام کی اکثریت کا حال کیا ہے اس کے متعلق حضرت مفتی عبدالسبحان صاحبؒ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم کراچی فرماتے تھے کہ عوام یہ سمجھتے ہیں کہ ہر عالم دین تین چیزیں جس کا پہلا حرف "ت" ہے کا جاننے والا ہوتا ہے تقریر، تعویذ، تعبیر خواب حالانکہ بات ایسی نہیں ہے، خواب کی تعبیر کا علم بھی مستقل ایک فن اور اللہ تعالی کی خصوصی دین ہے اور وہی بات کہ "لکل فن رجال" والا معاملہ ہے، حضرت مولانا یوسف متالا صاحبؒ کا شمار بھی ان علماء میں سے تھا جن کو اللہ تعالی نے "تعبیر خواب" کا علم عطا فرمایا تھا۔

خواب کی بات نکلی ہے تو ایک خواب جس کا تعلق حضرتؒ کی ذات سے ہے ذکر کئے دیتا ہوں۔

نکاح اور خواب

"جمال محمدی ج۳ ص۶۴" پر ہے کہ

میرے دوسرے نکاح کے وقت میں تردد میں تھا کہ نکاح کروں یا نہیں، چونکہ پچاس برس کی عمر ہو چکی تھی، دارالعلوم کے فارغین میں سے مولانا بابر یاسین ہے ان کا خط آیا کہ آج میں نے ایک خواب دیکھا ہے خواب میں کوئی مجھ سے آپ کے متعلق کہتا ہے کہ ان کی (حضرت مولانا مرحوم کی) عمر کے ۲۷ برس اتنے مہینے اور اتنے دن باقی ہیں، تو میں نے کہا پھر بسم اللہ کرتے ہیں۔

تعبیر خواب

حضرت کا اسم گرامی ''یوسف،، تھا، یہ ایک جلیل القدر پیغمبر کا اسم گرامی ہے، قرآن کریم نے حضرت یوسف علیہ السلام کے تعلق سے بطور خاص جس ایک خوبی اور کمال کا تذکرہ کیا ہے وہ ہے ''تعبیر خواب کا علم،، ارشاد ربانی ہے ''**وکذلک یجتبیک ربک ویعلمک من تاویل الاحادیث**،، حضرت کو بھی نام کی مناسبت اور نام کی برکت کا اثر کہہ لیجئے کہ اللہ تعالی نے خواب کی تعبیر کا علم عطا فرمایا تھا، بطور نمونہ چند مثالیں۔

سن آئے گا

(۱) محمد (حضرت کا صاحبزادہ) کے آنے سے کئی ماہ پہلے میں نے ایک خواب دیکھا کہ میں بارباڈوس کے ساحل پر کھڑا ہوں اور سمندر میں سے سورج طلوع ہو رہا ہے، لیکن اس کی گولائی جتنی ہے اس سے کئی گنا زیادہ ہے، اور وہ آہستہ آہستہ طلوع ہو رہا ہے، اسی وقت میں نے یہ تعبیر لی تھی کہ اس کے معنی son دکھایا گیا تو

سن (لڑکا) آئے گا (کرامات وکمالات اولیاء جلد اول ص۳۲۲)

زیر زبر کا فرق کردیجئے

(۲) فرمایا کہ ایک دفعہ مولانا احمد میاں جو ساؤتھ افریقہ سے تعلق رکھتے ہیں مدینہ طیبہ میں ملے، انہوں نے بتایا کہ ان کی اہلیہ نے خواب دیکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دانت مبارک اہلیہ کے ہاتھ میں ہے، میں نے پوچھا کہ گھر والی امید سے ہے؟ کہنے لگے نہیں، میں نے کہا ان شاء اللہ اوپر فیصلہ ہو چکا ہے، آپ کے یہاں ضرور بیٹے کی ولادت ہوگی آپ اس کا نام محمد رکھنا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، جب بیٹا آیا تو کہنے لگے کہ آپ نے کیسے تعبیر دی؟ اس وقت تو اہلیہ امید سے بھی نہیں تھی، میں نے کہا کہ دانت کو عربی میں ''سن،، کہتے ہیں، قرآن کریم میں ہے ''السن بالسن،، ساؤتھ افریقہ والے بدل کر بولنے کے عادی ہیں کہ جہاں فتحہ ہوگا وہاں کسرہ، جہاں زیر ہوگا وہاں زبر، تو میں نے کہا کہ اب اس کو زیر زبر کا فرق کر دیجئے، سِن کو سَن بن جائے گا (حوالا بالاص۳۲۲،۳۲۳ بتغیر)

شیخ کو میری یہ تعبیر پسند آئی

(۳) فرمایا کہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی شرح ہے بخاری شریف کی ''الابواب والتراجم،، حضرت نے مدینہ طیبہ میں اس کا مقدمہ لکھوایا تھا، جب مقدمہ لکھا جارہا تھا، تو حضرت نے خواب لکھوایا کہ میں نے یہ خواب دیکھا تھا کہ حضرت شیخ الہندؒ فرمارہے ہیں کہ مجھ سے بخاری شریف پڑھو، ساتھ حضرت نے اس

خواب کی تعبیر بھی تحریر کروائی،اس پر میں نے عرض کیا کہ حضرت !اس کی ایک تعبیر یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جس وقت حضرت شیخ الہندؒ یہ تراجم مالٹا جیل میں لکھوا رہے تھے اس وقت حضرت نے یہ خواب دیکھا تھا اوراس کی تعبیر آج پوری ہورہی ہے کہ آپ ان ہی تراجم کو بنیاد بنا کر اس کی شرح فرماتے ہوئے آگے کام کو بڑھا رہے ہیں، حضرت کو یہ تعبیر پسند آئی، حضرت نے فوراً فرمایا کہ آگے اسی وقت بیچ میں جہاں تک تعبیر لکھوائی تھی اس کے بعد تحریر فرمایا کہ میرے عزیز دوست یوسف نے اس کی یہ تعبیر دی ہے (حوالا بالاص ۳۲۳)

من بنى لله مسجدا بنى الله له بيتا فى الجنة

(۴) ''جمال محمدی جلد سوم،، میں ہے کہ میری بچی نے خواب دیکھا کہ پریسٹن میں جو مسجد ہے ''معہد الشہداء،، اس میں وہ داخل ہوئی وہ چار منزلہ عمارت ہے اور ہر منزل پر تقریباً ڈیڑھ سو، دوسو نمازی نماز پڑھ سکتے ہیں، مگر وہ کہتی ہے کہ میں کیا دیکھتی ہوں کہ جہاں تک نظر پہنچتی ہے بہت وسیع عمارت ہے اوراس میں بے شمار کمرے ہیں اور ادھر ادھر نظر دوڑاتی ہوں تو ایک عظیم الشان عمارت ادھر بھی ہے ادھر بھی اور کہنے لگی کہ میں نے دیکھا کہ وہاں آپ کا بیڈروم بھی ہے اور بڑی لمبی عمارت ہے کہ میں اس کی تعریف بیان نہیں کرسکتی، میں نے خواب کی تعبیر یہ دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من بنى لله مسجدا بنى الله له بيتا فى الجنة، تم نے جو دیکھا وہ آخرت کا گھر ہے جو یہاں دنیا میں مسجد بنانے پر ہمارے

لئے وہاں (آخرت میں) بنایا گیا۔

شیخ عبدالعزیز بن صالح کا انتقال

(۵) جمال محمدی جلد سوم میں ہے کہ ہمارے دارالعلوم کے فارغین میں مولوی یوسف ہے جو کڈ منسٹر میں مدرس ہیں، کسی وقت وہ مدینہ یونیورسٹی میں پڑھتے تھے وہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آج میں نے خواب میں دیکھا کہ مسجد نبوی کا جو ترکوں والا پرانا مینار ہے وہ مینار گر گیا، میں نے ان سے کہا کہ" انا للہ و انا الیہ راجعون ،، پڑھو، تعبیر اس کی یہ سمجھ میں آتی ہے کہ مسجد نبوی کے جو بڑے امام ہیں "شیخ عبدالعزیز بن صالح،، (وہ اس وقت بیمار چل رہے تھے) یہ ان کی وفات کی خبر آپ کو دی گئی ہے، چنانچہ اس خواب کے ایک دو ہفتے ہوئے ہوں گے کہ ان کا انتقال ہو گیا، مناسبت یہ سمجھ میں آئی کہ شیخ عبدالعزیز مسجد نبوی کے قدیم امام تھے تقریباً ساٹھ سال سے منصب امامت پر فائز تھے ادھر انہوں نے خواب میں یہ دیکھا تھا کہ مسجد نبوی کا جو ترکوں والا پرانا مینار ہے وہ مینار گر گیا تو اس طرح آپس میں ایک مناسبت پائی گئی (بتغیر)

منار سونے کا اس لئے دکھایا گیا کہ...........

(٦) "جمال محمدی جلد دوم میں ہے،، فرمایا کہ میرا reunion جانا ہوا، وہاں ایک صاحب کہنے لگے کہ میں نے پندرہ بیس سال پہلے خواب دیکھا تھا اس کی تعبیر معلوم کرنی ہے، میں نے ان سے کہا کہ بھئی ! اتنا پرانا خواب پندرہ۔ بیس سال پہلے

کا اور اس کی تعبیر آج معلوم کرنا چاہتے ہو، کبھی تو تفسیر آناً فاناً واقع ہو جاتی ہے، اب پوچھنے سے کیا فائدہ؟ پھر میں نے کہا اچھا بتاؤ کیا خواب دیکھا تھا، کہنے لگے کہ میں نے خواب یہ دیکھا ہے کہ ہماری سینٹ پیئر کی مسجد کا منار سونے کا بنا ہوا ہے، اس پر میں نے کہا کہ آپ کا خواب تو بالکل سچا ہے، آپ ذرا تاریخ یاد کریں اور وہ زمانہ یاد کریں جب آپ نے یہ خواب دیکھا تھا عین اسی وقت آپ کے یہاں آپ کی مسجد میں ''مولانا اسحاق گنگات صاحب،، نے امامت کا آغاز کیا ہوگا (حاضرین نے حضرتؒ کی بات کی تصدیق کی) فرمایا کہ منار سونے کا اس لئے دکھایا گیا کہ انہوں نے اپنا ایک دانت کا خول سونے کا بنایا ہوا ہے۔

آخرت میں ثواب کے طور پر آپ کو جو ملنے والا ہے وہ......

(۷) فرمایا کہ میری والدہ اسٹینجر میں جو ڈربن کے قریب ایک جگہ ہے وہاں ایک خاتون کی بیمار پرسی کے لئے گئی، وہاں سے عیادت کر کے لوٹی تو کیا دیکھتی ہیں کہ چاروں طرف جہاں تک ان کی نظر پہنچ رہی ہے خوبصورت باغات ہیں، ان کے ساتھ ایک اور خاتون بھی تھی وہ ان سے کہنے لگی کہ ہم کہیں راستہ تو نہیں بھول گئے، وہ خاتون تسلی دینے لگی کہ نہیں ہم صحیح راستہ پر جا رہے ہیں، دیکھئے یہ فلاں سڑک ہے اور وہ فلاں روڈ ہے، پورا راستہ والدہ کی یہی کیفیت رہی، اور جیسے ہی انہوں نے اپنے گھر کی دہلیز پر قدم رکھا تو قدم رکھتے ہی وہ خاص کیفیت ختم ہوگئی، والدہ نے ملاقات پر اپنی اس کیفیت کا ذکر کیا اور اس کی تعبیر پوچھی، میں نے

تعبیر دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی مسلمان کی بیمار پرسی کے لئے جاتا ہے اللہ تعالی جنت میں اس کے لئے باغیچہ تیار فرماتے ہیں"فھو فی خرفة الجنة ،،وہ جنت کے باغیچہ میں ہوتا ہے،تو آخرت میں ثواب کے طور پر آپ کو جو کچھ ملنے والا ہے وہ اللہ تعالی نے آپ کو حالت بیداری میں دنیا ہی میں ان آنکھوں سے دکھا دیا۔

متالا اور مطالعہ

حضرتؒ کا سرنیم ''متالا،،تھا، حضرت جہاں ''متالا،، تھے وہیں پر''وسیع المطالعہ،،بھی تھے۔

مگر کام عظیم انجام دیئے

آپ کے گاؤں کا نام تو''نانی نرولی،،تھا مگر حضرت'' کام بڑے بڑے،،انجام دے گئے۔

جگر راہ میں نقش ایسے چھوڑ آیا ہوں
دنیا انہیں دیکھتی ہے اور مجھ کو یاد کرتی ہے

نسبت حسینی

آپ نے صوبہ گجرات کی قدیم و مشہور دینی تعلیم گاہ جامعہ حسینیہ راندیر میں عالمیت کی تعلیم حاصل کی تھی،اس اعتبار سے گویا آپ نسبتاً''حسینی،،تھے اور آپ کا انتقال بھی''دسویں محرم الحرام،،کو جو حضرت حسینؓ کا یوم شہادت ہے کے دن ہوا۔

یہاں بھی بری اور وہاں بھی بری ان شاء اللہ

حضرتؒ دار العلوم ''بری،، کے مہتمم تھے، بندہ اس سے نیک فالی لیتا ہے کہ اللہ تعالی اس عظیم دینی خدمت کی بدولت آخرت کے سارے مشکل مراحل سے آپ کو ''بری،، کر دے گا (ان شاء اللہ)

یو، کے و یورپ میں جو آج دینی ماحول نظر آ رہا ہے....

ملک برطانیہ و یورپ میں جو آج دینی ماحول، دینی فضا اور مساجد با رونق نظر آتی ہیں اس کے پیچھے یقیناً بہت سارے حضرات اور بہت سی تنظیم اور جماعتوں کی محنت اور دعا ہوگی اور ہے مگر ان میں ہمیں جن دو بزرگوں کی محنت، تڑپ، لگن اور دعا نظر آتی ہیں وہ ہیں

(۱) حضرت مولانا یوسف متالا صاحب نور اللہ مرقدہ

(۲) حضرت حافظ محمد احمد پٹیل (حافظ پٹیل) گرچہ دونوں بزرگوں کا طریقۂ کار اور کام کرنے کا انداز مختلف رہا ہے مگر مقصد ایک ہی تھا کہ کسی طریقہ سے یو، کے و یورپ کے مسلمانوں میں دین کا جذبہ بیدار کیا جائے، اور مسلمان اپنی زندگی سنت رسول کے مطابق بسر کرنے والے بن جائے اور انسانیت جہنم سے بچکر جنت میں جانے والی بن جائیں۔

طریقۂ کار مختلف، مگر مقصد ایک

حافظ پٹیل بزرگوں کے مقرر کئے گئے اصول وضوابط کے مطابق دعوت و

تبلیغ کے کام سے جڑے رہے اور اسے برطانیہ اور پورے یورپ میں متعارف کروایا اور سچ تو یہ ہے کہ انہوں نے اس کام کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا۔

وہیں حضرت مولانا یوسف متالا صاحب نے مکاتب و مدراس وسکول اور خانقاہی لائن سے کام کیا اور خوب کام کیا بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کاموں کی یو۔ کے و یورپ میں بنیاد انہوں نے ہی رکھی۔

یہ سب پودا نہیں کی لگائی ہوئی ہے

گلشن میں یہ بہار جو آئی ہوئی ہے
یہ سب پودا نہیں کی لگائی ہوئی ہے

آج برطانیہ و یورپ میں سروں پر پگڑیاں، ہاتھوں میں تسبیحات، سروں پر ٹوپی، چہرے پر سنت رسول، بدن پر صالحین کا لباس، مردوں کا ٹخنوں سے اوپر کپڑا، بیت اللہ کے دیدار کا شوق، روضہ رسول اللہ کا اشتیاق، نمازوں کی پابندی وغیرہ جو کچھ نظر آتا ہے اس کے پیچھے دونوں حضرات کی کوشش و کردار کا عمل و دخل ہے۔

دینی مدارس کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ اسلام کی

دینی مدارس کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ اسلام کی، دینی مدارس عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک اپنے مخصوص انداز سے چلے آرہے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں پہلا دینی مدرسہ مخصوص چبوترہ جس کو ''صفہ،، کہا جاتا ہے وہ تھا، اس میں صحابہ کرام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم

کتاب، تعلیم حکمت اور تزکیہ نفس حاصل کرتے تھے۔

دینی مدارس اسلام کے قلعے، ہدایت کے سرچشمے اور دین کی پناہ گاہیں اور اشاعت دین کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔

دینی مدارس کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ دینی مدارس کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے، مدارس مختلف متنوع خدمات کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہیں، ان مدارس کا رشتہ صفۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے، جہاں پر معلم انسانیت، محسن کائنات سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دے کر ہیروں کو تراشا تھا اور دنیا کے سامنے امن ومحبت کے خوگر اور الفت و وفا کے شیدائیوں کو پیش کیا تھا جن کی تمام تر تعلیمات انسانیت کی بھلائی اور خیر خواہی پر مشتمل ہیں، دنیا میں آباد تمام مدارس کا رابطہ اسی صفۂ نبوی سے ہے، لہٰذا اس کے اثرات اور برکات بھی مدارس میں برابر ظاہر ہیں، نیز فرمایا کہ میں مدرسہ کو نائبین رسول وخلافت الٰہی کا فرض انجام دینے والے اور انسانیت کو ہدایت کا پیغام دینے والے اور انسانیت کو اپنا تحفظ و بقا کا راستہ دکھانے والے افراد تیار کرنے والوں کا ایک مرکز سمجھتا ہوں، میں مدرسہ کو آدم گری اور مردم سازی کا ایک کارخانہ سمجھتا ہوں۔

چراغ ہم نے جلائے ہوا کے رستے میں

حضرت مولانا نے اسی سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے ان تمام مقاصد کے حصول کے لئے جس کا ابھی ذکر ہوا ۱۹۷۳ء میں انگلستان میں ''بری،، کے مقام پر ایک دینی ادارے بنام ''دار العلوم العربیہ الاسلامیہ،، کی نیو اور بنیاد رکھی، انگلستان کے اس وقت کے ماحول میں یہ ایک کٹھن اور پر مشقت سفر تھا مگر اس مرد مجاہد نے اپنے اکابر کے مشوروں اور دعاؤں سے اس کام کی بسم اللہ کی اور دھیرے دھیرے ترقی کی منازل طے کرتے چلے گئے، دار العلوم کا شروع کا دور کافی مشقت بھرا رہا دارلعلوم بری کی کچھ کہانی خود حضرتؒ کی زبانی۔

نہ ڈگمگائے کبھی ہم وفا کے رستے میں

چراغ ہم نے جلائے ہوا کے رستے میں

ہمالہ بھی لرز جائے تھا ایسا حوصلہ اس میں

زمانہ کر چکا تھا امتحاں سو بار یوسف کا (نادر لاجپوری)

دار العلوم بری دس پندرہ ایکڑ زمین پر، پہاڑ پر الگ تھلک ایک دینی ادارہ ہے۔

قلندر ہر چہ گوید، دیدہ گوید

فرمایا کہ ۱۹۷۰ء کی بات ہے میں نے ایک کتاب لکھی ''اطاعت رسول،، اس کا تھوڑا تھوڑا حصہ حضرت شیخؒ کی خدمت میں بھیجتا رہا، حضرت اس کو خود سنتے

اور جہاں کہیں اصلاح کی ضرورت ہوتی اصلاح فرماتے، جب اس کی طباعت کی نوبت آئی تو حضرت شیخؒ نے اس کتاب کے اخیر میں ایک اشتہار دیا اس میں لکھا کہ ’’ دار العلوم خلیلیہ رشیدیہ، بولٹن،، اور اعلان یہ ہے کہ انگلینڈ میں مسلمان دن بدن بڑھ رہے ہیں، مساجد قائم ہو رہی ہے، دینی ماحول بن رہا ہے، تو ہماری تمنا آرزو اور کوشش ہے کہ یہاں دار العلوم بنایا جائے، جس میں ان علوم کی تعلیم دی جائے، وہ علوم ذکر کئے ہیں، اور یہ اشتہار اس وقت تھا جب نہ دار العلوم تھا، نہ دار العلوم کی کوئی جگہ تھی، میں زکریا مسجد میں امام تھا، چھوٹی سی مسجد تھی وہاں مکتب چلتا تھا، جب اشتہار مکمل ہوا تو حضرت کو سنایا گیا، حضرت مولانا تقی الدین ندوی صاحب نے حضرت کو سنایا، حضرت نے فرمایا کہ آپ نے دورۂ حدیث نہیں لکھا کہ دورۂ حدیث بھی ہوگا، یہ عبارت بھی اس میں بڑھا دو کہ یہاں دورۂ حدیث تک تعلیم ہوگی، جو حضرات سن ستر سے پہلے اس ملک میں آئے تھے وہ سوچیں اس زمانہ کے حالات کہ سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ یہاں کوئی دار العلوم بن سکتا ہے اور چل سکتا ہے، مگر حضرت شیخ اشتہار لکھوا رہے ہیں کہ لکھو دورۂ حدیث تک کی تعلیم ہوگی، پھر حضرت شیخؒ کی دعا کے نتیجہ میں دار العلوم بری کی عمارت ہم نے سن ۱۹۷۲ء میں خریدی، دار العلوم میں سب سے پہلا جو جلسہ ہوا اس میں حضرت مولانا احمد اللہ صاحب راندیریؒ تشریف لائے تھے، حضرت نے اپنے وعظ میں ایک بات یہ کہی تھی کہ میں یہاں سے ایک نور اٹھتا ہوا دیکھ رہا ہوں جو پوری دنیا کو منور کرے گا، حالانکہ

جس عمارت کی طرف انہوں نے اشارہ کیا اس عمارت کے کچھ دو سو شیشوں میں سے ایک شیشہ بھی سلامت نہیں تھا، نہ اس کی چھت کا کوئی ٹھکانہ تھا، اندر عمارت میں داخل ہونے سے ڈر لگتا تھا، جگہ جگہ بارش ہو کے تالاب بن جاتا تھا، تو ہم نے عمارت سے دور باہر ایک گیرتج تھا اس میں صفائی کر کے وہاں جلسہ کیا تھا، حضرت نے اس خستہ حال عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میں یہاں سے ایک نور اٹھتا ہوا دیکھ رہا ہوں جو پوری دنیا کو منور کرے گا (جمال محمدی ج ۲)

دار العلوم بری جتنے میں خرید اہے اتنی رقم سے.......

فرمایا کہ ہم نے دار العلوم بری جتنے میں خرید اہے اتنی رقم سے کوئی پچاسوں مکان خریدے جاسکتے ہیں (حوالا بالا)

ہمارا دار العلوم کوئی مالدار ادارہ نہیں ہے.....

فرمایا کہ ہمارا یہ دار العلوم کوئی مالدار ادارہ نہیں ہے، یہ بے چارہ پیدائشی مقروض ہے اور آج تک اسی حال سے گذر رہا ہے، آپ دیکھئے کہ ابھی بھی بہت سی عمارتیں ٹوٹی ہوئی ہے۔

دار العلوم میں ہمارے یہاں شروع میں بہت ستاتے تھے....

دار العلوم کے اولین سالوں میں یہ حال تھا کہ کوئی دن خالی نہیں جاتا تھا کہ یہاں حملے نہ ہوتے ہو، کسی نہ کسی طرح پریشان نہ کیا جاتا ہو، میں مثال دیا کرتا تھا کہ افریقہ میں شیر دیکھے تھے کھلے جنگل میں ان کو پتھر مارے تھے، تو میں کہا

کرتا تھا کہ جو مسلمان ہیں ان کو تو اس طرح جینا چاہئے، وہ تھوڑے ہی ایسی چیزوں سے ڈر جاتے ہیں۔

بستر احمد شب ہجرت دے رہا ہے یہ صدا
اے علی مردوں کو ایسی ہی نیند چاہئے

دار العلوم کی مسجد کی تعمیر کے لئے.......

فرمایا کہ دار العلوم بری کے قیام اور دار العلوم کی مسجد کی تعمیر کے لئے اجازت بھی بہت مشکل سے حاصل کی گئی ہے (جمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم بخاری شریف کے آئینہ میں ج۳ص۲۹۱) دار العلوم میں مسجد اور تعمیری کام کی اجازت نہیں مل رہی تھی، میں نے حضرت شیخ کو مدینہ منورہ عریضہ لکھا، حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا کہ ختم قرآن اور ختم بخاری کا اہتمام کیا جائے اور اس کے ختم پر دعا کی جائے، اس کے بعد اجازت مل گئی۔

لطیف تنبیہ

فرمایا کہ دار العلوم بری میں مسجد تعمیر ہو رہی تھی، معمار کو ہر ماہ دینے کے لئے قسطیں متعین تھیں، اس کا انتظام بھی ہم سے نہیں ہو پاتا تھا، ہم اپنے بعض احباب کے ساتھ چندہ کے لئے مختلف شہروں میں نکلے، بہت سے حضرات نے وعدہ کیا کہ ہم ہر مہینہ دس پاؤنڈ، بیس پاؤنڈ دیتے رہیں گے، اس سے ہمارا کام آسان ہو گیا مگر اس میں کئی دینے والوں کی طرف سے چوک ہو جاتی تھی، وہ وقت پر پہنچانا بھول

جاتے تھے،تو میں نے اپنے ایک ساتھی سے مشورہ کرکے یہ طے کیا کہ مسجد کا جتنا کام ہوا ہے اس کی تصویر لے کر ایک کلینڈر چھپواتے ہیں،اوراس کلینڈر میں جس جس نے ہر ماہ مسجد کی امداد کے لئے جو تاریخ متعین کی ہے وہاں ایک خاص نشان بنا دیں گے اور وہ کلینڈر اس تک پہنچا دیں گے تا کہ ہر ماہ ان کو یاد دہانی ہوجائے ،ابھی صرف اس کا مشورہ ہوا تھا اور ہم دو آدمی کے علاوہ کسی تیسرے بندے کو اس کا علم نہیں تھا،مشورہ کو ہفتہ بھر نہیں گذرا ہوگا کہ مولانا طاہر صوفی دار العلوم میں طالب علم تھے، وہ میرے پاس آئے اور عرض کیا کہ حضرت !میں نے ایک خواب دیکھا ہے وہ آپ کو سنانا ہے، میں نے کہا کہ سنائیے،انہوں نے سنایا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دار العلوم بری تشریف لائے تو اس وقت جہاں نماز ہو رہی تھی حضور اس ہال میں تشریف لے گئے اور نماز کے بعد فارغ ہوکر جب آپ تشریف لے جانے لگے تو آپ کے دست مبارک میں ایک چھڑی تھی چلتے چلتے آپ ایک دیوار کے پاس رک جاتے ہیں جس پر ایک کلینڈر لٹکا ہوا تھا ،حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مبارک چھڑی کی نوک سے کلینڈر کو دیوار سے نیچے گرا دیتے ہیں، یہ سن کر میں نے کہا اللہ اکبر، اللہ اکبر آپ تو طالب علم ہیں اور کلینڈر والی بات ہم دو آدمی کے سوا کوئی نہیں جانتا اور یہ خواب.......... معلوم ہوا اللہ تعالی کی طرف سے ایک نامناسب کام کی اصلاح کی گئی ہے (جمال محمدی ج ۲ ص ۲۴۸_۲۴۹ بتغیر)

آگ زنی کا واقعہ

دارالعلوم میں آگ لگنے کا واقعہ بھی پیش آیا، مگر بات وہی کے آپ اپنے مشن پر مضبوطی سے جمے رہے اور ہر مشکل کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

دارالعلوم کے ابتدائی حالات کا کچھ.......

دارالعلوم بری کی جب چابی ملی تو بالکل ویران جگہ، کوئی ایک کمرہ ایسا نہیں تھا کہ جہاں کسی مہمان کو بٹھا سکے، ٹوٹی پھوٹی عمارت، اس میں چاروں طرف سے پانی ٹپک رہا ہے اور ایسی حالت میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ ہمارے ادارے کے سب سے پہلے مہمان بنے، ہم نے دارالعلوم کے باہر میدان میں چٹائی بچھائی اور وہاں حضرت کو بٹھایا، حضرت نے وہیں پر بیٹھ کر ادارے کی کامیابی کے لئے دعا فرمائی (جمال محمدی ج ۲ ص ۱۵۳ بتغیر)

دارالعلوم بری کی مقبولیت

جمال محمدی کی جلوہ گاہیں ص ۷۷ ۴ پر ہے کہ ہمارے یہاں دارالعلوم بری میں مدرسہ کی تعطیل میں ایک طالب علم رہا کرتے تھے ''مولوی ابدال میاں جن کا تعلق لندن سے ہے، وہ ایک دفعہ کہنے لگے کہ میں نے خواب میں میری پھوپھی کو دیکھا جن کا انتقال ہو چکا ہے وہ مجھ سے کہہ رہی ہے کہ مجھے تمہارا دارالعلوم معلوم ہے، مولوی ابدال میاں کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ آپ کو کیسے معلوم؟ آپ تو بنگلہ دیش میں انتقال کر گئیں تھیں، آپ ہمارے دارالعلوم کو کیسے جانتی ہیں؟

اس پر وہ کہنے لگی کہ جیسے تم لوگ آسمان کے ستاروں کو دیکھتے ہو، ستارے تمہیں چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں، اور تم اسے پہچان بھی لیتے ہو کہ یہ فلاں ستارہ ہے، ٹھیک اسی طرح یہ جونور کی جگہیں ہیں ان میں سے ایک دارالعلوم بری بھی ہیں، دارالعلوم بری کو ہم اوپر سے اسی طرح چمکتا ہوا دیکھتے ہیں جیسا کہ تم لوگ آسمان پر ستاروں کو چمکتا ہوا دیکھتے ہو۔

ایک نور اٹھتا ہوا دیکھ رہا ہوں جو سارے.........

نیک نامی منظور ہے فیض کے اسباب بنا

پل بنا، چاہ بنا، مسجد، مدرسہ و اسکول بنا

مولانا احمد اللہ صاحب راندیریؒ نے اپنی تقریر میں فرمایا تھا کہ میں دار العلوم بری سے ایک نور اٹھتا ہوا دیکھ رہا ہوں جو سارے عالم میں پھیلے گا، چند سال پہلے کی بات ہے، ایک صاحب مجھ سے ملنے آئے، کہنے لگے کہ میں امریکہ کے لاس اینجلس سے آیا ہوں، مقصد صرف آپ کی زیارت و ملاقات ہے کوئی اور کام نہیں ہے، اور زیارت و ملاقات کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے دارالعلوم کے فارغین میں سے ''مولانا احمد علی، (بریڈفورڈ والے) ہیں ان کے انگریزی بیانات کی جو کیسیٹس ہیں وہ ہم امریکہ میں پھیلاتے ہیں، ایک سال میں ہم نے ان کے بیانات کی دس ہزار کیسیٹ پورے امریکہ میں پھیلائی ہیں، اس وقت مجھے مولانا احمد اللہ صاحبؒ کی وہ بات یاد آئی کہ حضرتؒ نے فرمایا تھا کہ میں یہاں سے ایک نور اٹھتا ہوا دیکھ رہا

ہوں کہ جو پورے عالم میں پھیلے گا (جمال محمدی ج۲ص۱۵۳۔۱۵۴بتغیر)

تقریباً ستر مساجد میں طلبہ تراویح سنانے کے لئے گئے تھے

ابھی جو رمضان المبارک گذرا ہے اس کے متعلق میں نے طلبہ سے سوال کیا کہ اس سال تراویح سنانے کے لئے امریکہ کون کون گیا تھا، تو تقریباً ستر مساجد میں طلبہ تراویح سنانے کے لئے گئے تھے۔

مولانا ریاض الحق اوران.....

مولانا ریاض الحق گورا کے بیانات کی کیسیٹ پوری دنیا میں مقبول ہیں، ان کے ایک دوست نے بتایا کہ تین لاکھ سے زیادہ کیسیٹ ان کی پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں، جو صرف ان کے ایک چھوٹے سے ادارے ''الشریعہ،، ہے وہاں سے لوگوں نے منگوائی، پھر آگے جنہوں نے نقل کیا ہوگا، کاپی کی ہوگی وہ الگ (جمال محمدی ج۲ص۱۸۲)

تعداد فضلاء

اب تک دارالعلوم کے فضلاء کی تعداد ''۸۵۰،، ہیں، اور حفظ قرآن کی سعادت حاصل کرنے والوں کی تعداد ''۶۲۵،، ہیں (جمال محمدی ج۳ص۹۳۔۹۴)

خوشی کی بات یہ ہے کہ یہ سب مرحوم اپنی آنکھوں سے...

یہ تو دارالعلوم بری کا براہ راست بلا واسطہ فیض ہوا، بالواسطہ فیض کا تو کیا کہنا، حضرتؒ کے شاگردوں نے برطانیہ اور یورپ کے مختلف مقامات پر

مکاتب، جامعات، دار العلوم اور دیگر ادارے قائم فرمائے ہیں، اور پھر اس سے آگے بڑھ کر شاگردوں کے شاگردوں نے کئی جامعات اور دار العلوم قائم کیئے، مزید خوشی کی بات یہ ہوئی کہ یہ سب مرحوم اپنی آنکھوں سے دیکھ کر گئے۔ یقیناً یہ سب آپ کے لئے صدقۂ جاریہ ہیں۔

میں ملک کو چھوڑ کر جارہا ہوں

حضرت جی مولانا الیاس صاحبؒ کا ملفوظ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے ایک مقام پر تحریر فرمایا ہے کہ حضرت جی مسرت سے فرمایا کرتے تھے کہ لوگ اپنے بعد آدمیوں کو چھوڑ کر جاتے ہیں میں ملک چھوڑ کر جارہا ہوں مطلب یہ تھا کہ میوات کا خطہ جہاں لاکھوں آدمی ان کی کوشش سے نمازی بنے، ہزاروں تہجد گزار بنے، ہزاروں حافظ قرآن بنے ان سب کا ثواب ان شاء اللہ حضرت جی کو ملتا رہے گا، یہی حسن ظن ہم حضرت کے متعلق بھی رکھتے ہیں۔

کلیوں کو تم سینے کے لہو دے کے چلے ہوں
صدیوں تم کو گلشن کی فضا یاد کرے گی

اولیت

ہر چیز میں ''اولیت،، کی اپنی ایک اہمیت ہوتی ہے، اسی لئے اس موضوع پر مستقل تصانیف موجود ہے، ایک اولیت حضرتؒ کے حصہ میں بھی آئی وہ یہ کہ ملک برطانیہ بلکہ پورے یورپ میں سب سے پہلے آپ نے ''بری،، میں دینی علوم کا

ایک گلشن لگایا جس کی خوشبو سے اب تقریباً پورا یورپ ہی نہیں افریقہ تک معطر ہو رہا ہے، آپ نے ملک برطانیہ میں سب سے پہلے دینی علوم کا چراغ روشن کیا اور پھر چراغ سے چراغ جلنے لگے بلکہ جلتے چلے گئے۔

اس سے میں بیعت ہوں جو قطب زمانہ ہے

مجھے سہل ہو گئیں منزلیں کہ ہوا کے رخ بھی بدل گئے

ترا ہاتھ ہاتھ میں آ گیا تو چراغ راہ کے جل گئے

چاند تارے مرے قدموں میں بچھے جاتے ہیں

یہ بزرگوں کی دعاؤں کا اثر لگتا ہے

کر فضل کہ نسبت ہے سرکار دو عالم سے

اور اس سے میں بیعت ہوں جو قطب زمانہ ہے

حضرت کا ذکر ناقص اور ادھورا رہتا ہے جب تک اس پر روشنی نہ ڈالی جائے کہ آپ کا تعلق قطب الاقطاب، قطب العالم، برکۃ العصر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کے ساتھ کیسا تھا، حضرت کی دینی و علمی ترقی میں حضرت شیخ کی دعا، توجہ اور مشورہ کا کافی اہم کردار رہا ہے، حضرت شیخ الحدیث حضرت کے استاذ، شیخ اور ایک شفیق والد کی طرح تھے، محبت کا یہ عالم تھا کے شاید کوئی علمی و نجی مجلس ایسی ہو کہ جس میں وہ حضرت شیخ الحدیثؒ کا ذکر نہ کرتے ہو، تا دم حیات حضرت کا یہی حال رہا، حضرت شیخ الحدیثؒ کو لیکر جیسے خواجہ عزیز الحسن

مجذوبؒ کا حال حضرت حکیم الامتؒ کے ساتھ تھا، حضرت تھانویؒ جس سہ دری پر تشریف رکھتے تھے اس کو بھی یاد کرتے رہتے تھے، فرماتے ہیں کہ ؎

اس سہ دریں اشرف فردوس مکاں میں

جب آئے زیارت کو تو با چشم تر آئے

جو بزم بھری رہتی تھی مستان خدا سے

خالی وہ نظر آئے تو کیوں جی نہ بھر آئے

اور حال یہ ہو گیا تھا کہ آپ جہاں کہیں جاتے تھے، جس کسی کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے حضرت تھانویؒ کی باتیں شروع کر دیتے تھے، خود فرماتے ہیں ؎

آشنا بیٹھا ہو یا نا آشنا

ہمیں تو مطلب اپنے سوز ساز سے

کچھ یہی حال حضرت مولانا مرحوم کا بھی تھا، اور ان کی عقیدت و محبت کا یہ تعلق صرف حضرت شیخ الحدیثؒ کی ذات تک محدود نہیں تھا بلکہ حضرت شیخ الحدیثؒ کی پوری فیملی کے ساتھ تھا، میں یہ تحریر کروں تو شاید غلط نہ ہوگا کہ مرحوم کو حضرت شیخ اپنی جان سے زیادہ عزیز تھے (جمال محمدی ج ۲ ص ۱۵۸۔۱۵۹ پر ہے فرمایا کہ ہمارے دار العلوم میں ازہر کی طرف سے ایک استاذ بھیجے گئے تھے عربی پڑھانے کے لئے شیخ عبد اللطیف، انہوں نے شکوہ کیا کہ آپ ہر سال کیوں طویل عرصہ کے لئے یہاں سے چلے جاتے ہو، مراد حضرت شیخ الحدیث کے یہاں حاضری کے لئے

جاناتھا، وہ یوں چاہتے تھے کہ میں دارالعلوم میں رہ کر زیادہ کام کروں، اور کہنے لگے کہ آپ یہاں سے چلے جاتے ہو تو یہاں کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے، اس پر میں نے ان کو پھر حضرت کے قصے سنانے شروع کئے، میں نے کہا دارالعلوم رہے آگے تو نہیں کہنا چاہئے کہ ''یا نہ رہے،، اور پھر کہا کہ بھئی، وہ ہمارے حضرت ہمیں اتنے پیارے ہیں کہ ہم حضرت کے لئے سب کچھ چھوڑنے کے لئے تیار ہے)

صرف تیری وجہ سے پڑھاتا ہوں

حضرتؒ حضرت شیخ الحدیثؒ کے بہت لاڈلے تھے، ''جمال محمدی،، ج ۳ ص ۳۰،، پر ہے کہ حضرت شیخ نے مجھے ایک دو دفعہ نہیں پچاسوں دفعہ پیار میں یاد دہانی کے طور پر فرمایا کہ نزول آب کی وجہ سے اس سال میرا بخاری شریف پڑھانے کا ارادہ نہیں تھا مگر صرف تیری وجہ سے پڑھاتا ہوں۔

ایک اور کوئن لے

''جمال محمدی ج ۱ ص ۷۷،، پر ہے کہ عاشورہ کے تعلق سے روایت ہے کہ عاشورہ کے دن جو شخص اپنے اہل وعیال پر وسعت کرے گا اللہ تعالی پورا سال اس پر وسعت فرمائیں گے، جب میں دورۂ حدیث میں تھا حضرت کا معمول تھا کہ عاشورہ کے دن اپنے گھروں میں، بچیاں، نواسے نواسیاں سب کو عیدی تقسیم کرتے تھے، ایک دفعہ مجھے ایک تھیلا دیا اور کہا کہ دورۂ حدیث کے طلباء میں ایک ایک کوئن تقسیم کردے، میں نے کر دیا، فرمایا تو بھی اس میں سے لے لے چنانچہ میں نے بھی

ایک کوئن لیا فرمایا ایک اور لے۔

رشک

جمال محمدی ج ۲ ص ۳۸۶ پر ہے کہ مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ نے ایک دفعہ مولانا تقی الدین صاحب سے جب وہ سہارنپور تشریف لائے تھے فرمایا کہ مولوی یوسف پر مجھے بڑا رشک آتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث جس نگاہ سے ان کو دیکھتے ہیں۔

مشورہ

حضرت تقریباً اپنا ہر اہم کام حضرت شیخ الحدیث صاحب کے مشورہ سے کرتے تھے۔

میں چاہتا ہوں کہ ہندوستان واپس آجاؤں......

دو مثالیں ۔(ا)''جمال محمدی ج ا ص ۸۰۔۸۱ پر ہے کہ میں اس ملک میں ۱۹۶۸ء میں آیا، چند ماہ کے بعد میں نے حضرت شیخ کو خط لکھا کہ یہاں کا ماحول ایسا ہے کہ میں جس مسجد میں امامت کراتا ہوں وہاں جمعہ اور ہفتہ اتوار کو مصلی ہوتے ہیں، باقی دنوں میں نمازی نہیں ہوتے بلکہ یوں ہوا کہ پیر کو نمازی مجھ سے کہنے لگے کہ آپ عشاء اور فجر کی نماز میں مت آنا (کیونکہ وہی سو فیصد نمازی ہوتے تھے اور وہ سب پیر کو کام پر چلے جاتے تھے) کہ یہ سمر (موسم گرما) کا وقت ہے عشاء کی نماز دیر سے ہوتی ہے تو مسجد میں کوئی نہیں ہوگا، اور فجر چونکہ بہت جلدی ہوتی ہے تقریباً چار سوا چار بجے اس میں بھی

کوئی نہیں ہوگا، میں نے حضرتؒ کولکھا کہ میں چاہتا ہوں کہ ہندوستان واپس آجاؤں اور وہاں کسی مدرسہ میں تدریس کا آغاز کروں، حضرت شیخ کی فراست دیکھئے، کتنے دور کی حق تعالی شانہ اپنے لاڈلوں کو دوربین عطا فرماتے ہیں کہ کتنے دور کی چیز وہ دیکھ لیتے ہیں میں تو لکھ رہا ہوں کہ یہاں پنجوقتہ نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں نمازی نہیں ہوتے، حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا کہ تم واپسی کا ارادہ مت کرو، وہیں رہو اللہ تعالی کی ذات سے بعید نہیں ہے کہ اللہ تبارک وتعالی تمہارے ہاتھوں وہاں ایسا دارالعلوم شروع کرادے جس میں حدیث وتفسیر کا درس ہو، اس وقت تو خط پڑھ کر یقین بھی نہیں آرہا تھا مگر پیر ومرشد کا حکم تھا مان لیا، چند سالوں کے بعد دارالعلوم بھی بنا اور اس میں حضرت شیخ کی دعا اور توجہ کی برکت سے حدیث وتفسیر اور فقہ کے پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ بھی شروع ہو۔

میں جب یہاں آیا تو وحشت معلوم ہوتی تھی، انڈیا میں حضرت شیخ کی خانقاہ میں ہروقت ہزاروں ذاکر شاغل، مدارس آباد، حضرت کے دسترخوان پر سینکڑوں مہمان، دسترخوان پر سب کے شایان شان انتظام، بخاری کا درس ہورہا ہے اس میں دنیا بھر کے علماء صرف سبق سننے کے لئے تھوڑی دیر حاضری کے لئے اپنی سعادت سمجھتے ہیں، خانقاہ میں ہزاروں معتکفین، ان میں ہزاروں علماء، سینکڑوں شیخ الحدیث، سینکڑوں مفتیان کرام، تو وہاں کا ماحول دیکھ کر جب یہاں آیا ۱۹۶۸ء میں اس وقت مسجد (کتاب میں روڈ کا نام لکھا ہے مگر سمجھ نہیں

آیا) اس روڈ پر تھی جون کا مہینہ تھا سمر کا وقت، سمر میں عشاء دیر سے ہوتی ہے اور فجر جلدی ہوتی ہے، حضرت مولانا جلاد صاحب بیچارے تسبیح لے کر دعائیں کرتے رہتے کہ کاش! کوئی مصلی آجائے، دیکھئے اللہ تبارک وتعالی نے ان محنتوں اور دعاؤں کے صدقے میں اس مسجد کو کیسا آباد کر دیا ہے۔

آپ نے جلالین کو کیوں نہیں لیا؟

(۲) دارالعلوم بری کا نصاب تیار کر کے میں نے مدینہ منورہ حضرت شیخ کو بھیجا، اس میں ''جلالین،، کے بجائے تفسیر نسفی یا بغوی تھی، حضرت نے میرا وہ خط مولانا معین الدین ندوی جو ندوۃ العلماء کے مہتمم تھے اور اس وقت سفر عمرہ پر تھے ان کو دیا کہ اس کو آپ تنقیدی نگاہ سے دیکھے، یہی بات حضرت مولانا عاشق الہی صاحب بلند شہری سے بھی کہی اور فرمایا کہ اس پر تم اپنی رائے رکھو، نیز حضرت نے خود بھی اصلاحات فرمائیں، اس نصاب میں جلالین نہیں تھی تو بہت تاکید سے تحریر فرمایا کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ نے جلالین کو نصاب کا حصہ کیوں نہیں بنایا؟ پھر جلالین کی خوبیاں بیان فرمائیں کہ اس کی یہ خوبی ہے، یہ خوبی ہے، حضرت کے حکم کے بعد ہم نے جلالین کو اپنے نصاب میں شامل کر لیا۔

حضرت کو حضرت شیخ کی خدمت کا شرف بھی حاصل رہا ہے۔

دروازہ پر میں حاضر رہتا تھا

''جمال محمدی ج ۱ ص ۲۶۳،، پر ہے کہ حضرت شیخ کا آخری گھنٹہ تصنیف

کے لئے وقف ہوتا تھا میں نے بھی اپنا یہ وقت فارغ رکھا تھا تا کہ حضرت کی خدمت میں حاضری دے سکوں، اوپر کتب خانہ میں جہاں پر حضرت موجود ہوتے کسی کو جانے کی اجازت نہیں تھی میں وہاں دروازہ پر حاضر رہتا تھا، کبھی حضرت کوئی خدمت لے لیتے تھے کہ فلاں کتاب لاؤ، فلاں چیز تلاش کرو وغیرہ۔

ایک نفل کے خاطر اتنے سارے فرض ضائع کر دیئے

''جمال محمدی ج ا ص ۴۷۸،، پر ہے کہ مشکوۃ کے سال میں نے عاشورہ کا روزہ رکھ لیا، کبھی کبھار روزہ رکھنے کی وجہ سے صبح کی چائے نہ ملے تو سر میں درد ہو جاتا ہے، تو سر میں درد اتنا شدید ہوا کہ ظہر کی نماز پڑھ کر سو گیا، آنکھ لگ گئی، حضرت کی خدمت میرے ذمہ تھی، حضرت کو مسجد لے جانا، عصر کے بعد کی مجلس میں حضرت کو چائے پلانا وغیرہ، حضرت نے دیکھا کہ یوسف نظر نہیں آ رہا ہے، پوچھا کہ یوسف کدھر ہے؟ میں جب حاضر ہوا تو حضرت نے فرمایا کہ تم نے ایک نفل کے خاطر اتنے سارے فرض ضائع کر دیئے۔

ڈانٹ

''حضرت شیخ الحدیث کے حیرت انگیز واقعات،، ص ۱۲۳ پر ہے کہ ایک مرتبہ مغرب کی نماز کے بعد جب حضرت طویل نفلوں سے فارغ ہوئے میں مسجد ہی میں مطالعہ میں مصروف تھا، حضرت نے یاد فرمایا میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ آج عشاء کے بعد آ جائیو، مجھے پہنچنے میں دیر ہو گئی، بھول گیا تھا اچانک خادم بلانے آئے کہ

حضرت نے بلاوا بھیجا ہے، جیسے ہی کچے گھر میں قدم رکھا، نہایت زور سے ڈانٹ پلائی اور فرمایا کہ بھاگ جا اب کیوں آیا؟ اس سے پہلے ایک ڈانٹ دار الطلبہ کی مسجد میں خیر سے سنتوں کے دوران دور سے پڑی تھی، اس لئے تحمل ہو گیا تھا، مگر اب کے صرف ''قاب قوسین،، کے فاصلہ سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تھی یہ جلال کیسے برداشت ہوتا، مگر نہ معلوم حضرت کی اندرونی شفقت کا اثر ظاہری مصنوعی ڈانٹ پر غالب رہا کہ مجھے ہنسی آ گئی، اس پر حضرت بھی مسکرا دیئے اور فرمایا کہ ابے! تجھے کہا تھا کہ عشاء کے بعد آ جانا لے یہ کھالے اور بھاگ جا، پھر تو اس مجلس کی حاضری بھی مستقل ہو گئی اور اس میں ضابطہ کے حصہ کے علاوہ حضرت کے دست مبارک سے حضرت کے تبرک سے ضرور حصہ ملتا، اور کبھی یہ فرما کر بار بار ملتا کہ ارے تجھے تو ملا ہی نہیں، کبھی فرماتے مجھے تو ہر دفعہ میں تو ہی نظر آوے ہے، اللہ تعالیٰ معاف فرماوے کہ بالکل ہی ان شفقتوں کی قدر نہ کی۔

ایک تعلق ایسا بھی

ایک دفعہ میں نے دورۂ حدیث والوں کو دو ہفتے پورا ایک گھنٹہ حضرت شیخ کے حالات بیان کئے، اور میں ان سے کہتا کہ یہ کھڑکی، چھت، یے ستون، دسترخوان پر کھانے پینے کی چیزیں، کسی چیز کا تم نام لو تو اس پر حضرت شیخ کا ایک قصہ تمہیں سنا سکتا ہوں، اس لئے کہ حضرت کے ساتھ ہر جگہ ساتھ رہنا ہوا وہیل چیئر کے ساتھ بھی، ہوائی جہاز میں بھی، کار میں بھی۔

وہ زندگی جنتی زندگی محسوس ہوتی تھی

''جمال محمدی ج ا ص ۴۷۵'' پر ہے کہ حضرت شیخ کے ساتھ زندگی کا جو وقت جو سال گذرے ان کی قدر و قیمت اور اور ان ایام کے برکات کا اندازہ تب ہوا جب حضرت اس جہاں سے تشریف لے گئے، جب ہم حضرت کے ساتھ ہوتے تھے تو وہ زندگی جنتی زندگی تھی، جس طرح جنتیوں کے متعلق آیا ہے کہ **لا خــــوف علیھم ولا ھم یحزنون** ہمارا حال ویسا ہی تھا۔

عملیات سے گریز کریں کہ اس سے....

حضرت شیخ الحدیث کے حیرت انگیز واقعات، ص ۷۳ پر ہے کہ ۱۹۶۹-۶۸ عیسوی میں ایک مرتبہ میں باٹلی گیا، کسی مریض پر جن تھا، میں نے جنات کے جلانے کے تعویذات لکھ دیئے، بحمد اللہ! اسے آرام ہو گیا، مگر گھر پہنچتے ہی چھ، سات دن بعد ہی حضرت کا گرامی نامہ موصول ہوا، جس میں تاکیدی حکم تحریر تھا کہ جناتوں کو نکالنے جلانے کے عملیات سے گریز کریں کہ اس سے نقصان کا اندیشہ ہے، اور پھر حضرت نے اپنے تعویذات کی مکرر اجازت مرحمت فرمائی کہ صرف یہی تعویذ لکھا کریں، میری اس حرکت کے فوراً بعد حضرت کا گرامی نامہ آنا یا تو حضرت کے کشف کے نتیجے میں تھا یا جنات نے شکایت کی ہوگی، اس لئے کہ حضرت کے درس میں، مجلس میں بکثرت جنات آیا کرتے تھے۔

لعاب دہن کی برکت

ایک رات مسجد نور کے مہمان خانہ سے باہر کھلے میدان میں حضرت کی چارپائی کے قریب ریت پر بستر بچھا کر سورہا تھا کہ بچھونے کاٹ لیا، آنکھ کھلی تو انگلی کے ساتھ لٹک رہا تھا، ہاتھ جھٹکا تو دور جا کر گرا، تکلیف اور جلن بہت زیادہ تھی، اس خیال سے کہ حضرت کی نیند خراب ہوگی، ہاتھ پکڑ کر بیٹھا رہا، حضرت تہجد کے لئے بیدار ہوئے تب سارا قصہ بتایا، حضرت نے کچھ پڑھ کر اپنا لعاب اس جگہ پر لگا دیا اس کی برکت سے تکلیف کافور ہوگئی، تکلیف کا ذرا بھی اثر نہ رہا (حوالا بالا ص ۱۲۶)

سارے عرفات کے آنسوتو اسی میں ہیں

''جمال محمدی ج ۱ ص ۱۵۷،، پر ہے کہ ۱۹۶۷ء میں جب حضرت شیخ حج سے واپس آئے اور مسجد نور میں نماز پڑھی، نماز سے فراغت پر حضرت بے تحاشا رو رہے تھے، تھوڑی دیر بعد حضرت نے جیب سے رومال نکالا اور آنسو پوچتے رہے، وہ کپڑا جس میں حضرت کے آنسو تھے اس کو میں نے اپنی جیب میں رکھ لیا، حضرت نے فرمایا کہ ابے! سارے عرفات کے آنسو تو اسی میں ہیں۔

تقسیم ہند اور حضرت شیخ کے آنسو

''جمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گاہیں ج ۲ ص ۳۶۷،، پر ہے کہ ہندوستان جب تقسیم ہوا اس وقت بھی حضرت بہت روئے تھے، سہارنپور میں شیخ انعام اللہ ہوا کرتے تھے، وہ ایک مرتبہ کہنے لگے کہ تقسیم کے دوران جب چاروں

طرف قتل و غارت کا سلسلہ جاری تھا، اس وقت ہم نے حضرت کو دیکھا کہ ساری ساری رات حضرت نماز میں قیام کی حالت میں گذار دیتے تھے، اور ہاتھ سے اشارہ کر کے انہوں نے بتایا کہ اس طرح ہاتھی کی طرح حضرت کے پیر پھول جاتے اور ورم کر جاتے تھے، کتنی راتیں حضرت سوئے نہیں تھے، وہ جو رونا تھا اسی کے نتیجہ میں آج قال اللہ، قال الرسول اور اذانوں کی آوازیں اب تک بلند ہو رہی ہیں۔

الایمان بین الخوف والرجاء

''کرامات و کمالات اولیاء ج ۱ ص ۲۰۲-۲۰۳''، پر ہے کہ سہارنپور میں حضرتؒ کی توجہ کی برکت سے مدت تک میرے اوپر گریہ طاری رہا، میں ہر وقت روتا رہتا تھا، بھائی جان مجھے حضرت کے پاس لے گئے، اور عرض کیا کہ پورا دن بس یہ روتا رہتا ہے، اس پر حضرت نے لمبی تقریر فرمائی، فرمایا کہ پیارے! اس قدر رویا نہیں کرتے، دونوں چیزیں مطلوب ہیں، رجاء بھی، خوف بھی، نہ انتہائی درجہ کا خوف مطلوب ہے کہ جس سے انسان مایوسی کی حد تک پہنچ جائے اور نہ رجاء میں اس حد تک پہنچ جائے کہ گناہوں پر جری ہو جائے پھر حضرت نے حضرت عمر بن خطابؓ کا قصہ سنایا۔

شرف امامت

''کرامات و کمالات اولیاء ج ۱ ص ۳''، پر ہے کہ حضرت شیخ کے یہاں جب دار جدید میں اعتکاف شروع ہوا، تو حضرت نے پوچھا کہ تراویح کون سنائے

گا؟ مدرسہ قدیم میں حضرت کی مسجد میں ''امام میں،، ہوتا تھا، تو حضرت کے یہاں جو خدام تھے ان میں سے بعض حضرات میری طرف اشارہ کرنے لگے کہ مولوی یوسف پڑھائے گا، تو حضرت نے پوچھا کہ تین پارے پڑھ سکے گا؟ میں نے کہا جی نہیں، اس پر حضرت نے فرمایا کہ اچھا پھر دو پارے سنا دینا (بتغیر)

کاش! حضرت میری نماز جنازہ پڑھا دیں

''کرامات وکمالات اولیاء ج ا ص ۲۰۶،، پر ہے کہ حضرت شیخ کی معیت میں جب تک رہا ہمیشہ یہ دعا کرتا تھا کہ کاش! اللہ تعالی اسی سفر میں حضرت کے ساتھ موت دیدے اور حضرت میری نماز جنازہ پڑھائے، یہ دعا پچاسوں دفعہ کی ہوگی، اور خاص طور پر جب ''دار قدیم،، میں جنازے لائے جاتے تھے، سہارنپور کے اطراف میں کوئی فوتگی ہوتی تو جنازہ ''دار قدیم،، میں لے آتے تھے، حضرت نماز جنازہ پڑھاتے تھے وہ منظر دیدنی ہوتا تھا، حضرت کو ہم دو طرف سے پکڑے ہوئے ہیں اور جیسے ہی جنازہ سامنے رکھا جاتا کہ حضرت ہاتھ جھٹک دیتے اور اللہ اکبر! کہتے اس وقت حضرت پر جو گریہ کی کیفیت طاری ہوتی تھی، ہم ڈرتے تھے کہ حضرت اب گرے، تب گرے زار و قطار رو رہے ہوتے تھے یہاں تک کہ ہچکی بندھ جاتی تھی رونے کی وجہ سے، وہ منظر دیکھ کر تمنا ہوتی تھی کہ کاش! کہ یہ جنازہ ہمارا ہوتا اور حضرت ہماری نماز جنازہ پڑھاتے۔

بڑے یقیناً بڑے ہوتے ہیں

''جمال محمدی ج ۲ ص ۳۳۷۔۳۳۸،، پر ہے کہ حضرت شیخ نے ایک کتاب تصنیف فرمائی تھی، سالوں وہ کتاب چھپتی رہی، بعض مشائخ کی طرف سے اشکال ہوا کہ کتاب کا نام اس کی افادیت میں مانع ہے، نام تبدیل ہوجائے تو بہتر ہوگا، حضرت نے حکیم الیاس صاحب کو خط لکھوایا اس میں لکھا کہ اگلی بار کتاب شائع کرو تو نام تبدیل کردینا، میں نے عرض کیا کہ حضرت! نام کی تبدیلی کے بعد کتاب شائع ہوگی تو لوگ سوچیں گے کہ شاید حضرت کی رائے بدل گئی ہے، حضرت نے یہ جملہ سنتے ہی فرمایا کہ بعض دوستوں نے اس پر یہ اشکال کیا ہے اور یہ قوی اشکال ہے، اس لئے پرانا نام ہی باقی رکھا جائے، اللہ اکبر! اپنے زمانے کے قطب! اور ایک ادنی شاگرد کی رائے سے موافقت فرمالی۔

پیر کا دن ایام فاضلہ میں سے ہے

حضرت کا انتقال ''پیر،، کے دن ہوا، پیر کا دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا دن بھی ہے اور وفات کا بھی (ماضی قریب میں ہمارے اکابر میں مولانا احمد اشرف راندیری ان کی ولادت بھی پیر کے دن ہوئی اور وفات بھی پیر ہی کے دن ہوئی تھی) پیر کے دن کے تعلق سے علماء نے لکھا ہے کہ اوقات اور ایام فاضلہ میں ہر عبادت کا ثواب زیادہ ملتا ہے، پیر کا روز بھی ایام فاضلہ میں سے ہے، چونکہ اسی دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہوئی اور آقا پیر کے دن نفلی روزہ رکھا

کرتے تھے، حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پیر اور جمعرات کے روز بارگاہ الٰہی میں اعمال پیش کئے جاتے ہیں پس میں پسند کرتا ہوں کہ جب میرے اعمال پیش ہوں تو میں روزہ سے ہوں، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کو روزہ رکھا کرتے تھے، الغرض! پیر کا دن بھی ایام فاضلہ میں سے ہے۔

باب موتِ یوم الاثنین

امام بخاریؒ نے ''کتاب الجنائز،، میں ایک باب قائم کیا ہے ''باب موتِ یوم الاثنین،، حضرت مفتی نیاز محمد ترکستانی فرماتے تھے کہ میں نے جب سے بخاری شریف میں حضرت ابوبکرؓ کی تمنا پڑھی کہ وہ اللہ تعالی سے دعا کیا کرتے تھے کہ انہیں پیر والے دن موت دے کیونکہ اس دن حبیب کی موت ہوئی تھی، میں بھی اس وقت سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ مجھے بھی پیر والے دن موت دے، جس پیر کو ان کا انتقال ہوا اس سے پہلے کا دن یعنی اتوار کی شام کو بار بار دریافت فرماتے رہے کہ دو شنبہ (پیر کا دن) داخل ہونے میں کتنی دیر ہے، جب اتوار کا آفتاب غروب ہو گیا تو فرمایا کہ میری چارپائی قبلہ رخ کر دو اور عینک (چشمہ) لگا کر بیٹھ گئے فرشتۂ موت کو دیکھنے کے لئے، فرمانے لگے کہ موت کا فرشتہ کدھر سے آئے گا اوپر کی جانب سے یا دروازے کی طرف سے؟ دوشنبہ (پیر) شروع ہوا تو فرمایا اگر یہ دوشنبہ نہیں تو اور بہت سے دوشنبہ آئیں گے اور غنودگی طاری ہوگئی، افاقہ ہونے پر فرمایا ایسا لگتا ہے

جیسے کسی نے میرے کان میں کہا ہوحتی مطلع الفجر معلوم ہوتا ہے معاملہ طلوع فجر کے وقت ہوگا، جب سورج نکل آیا تو صاحبزادے نے عرض کیا کہ اب تو سورج نکل آیا ہے، اس پر فرمایا کہ فکر مت کرو غروب نہیں ہونے دوں گا، اور چاشت کے وقت انتقال ہوگیا۔

گرتو می خواہی خدا خواہد چنیں

می دہد یزداں مراد متقیں

پیر کے دن موت افضل ہے کیونکہ اسی دن..........

''سراج القاری'' ج ۵ص۱۷۲، پر ہے، روایت باب سے معلوم ہوتا ہے کہ سوموار کے دن کی موت افضل ہے کیونکہ اسی دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور حضرت ابوبکرؓ نے بھی اسی دن موت کی تمنا کی، علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ مطلقاً فضیلت کے اعتبار سے جمعہ کا دن افضل ہے، اور مرنے کے اعتبار سے سوموار کا دن افضل ہے کیونکہ اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی ہے۔

ماضی قریب میں پیر کے دن انتقال کر جانے والے چند اکابر کے اسماء

ماضی قریب میں پیر کے دن انتقال کر جانے والے چند اکابر کے اسماء

(۱) مولانا احمد اشرف راندیریؒ

(۲) مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ

(۳) مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ

(۴) مولانا محمد شریف جالندھریؒ

(۵) حافظ ضامن شہیدؒ

(۶) مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلویؒ

(۷) مولانا عبداللہ صاحب درخواستیؒ

(۸) مولانا عبدالحفیظ صاحب مکیؒ

(۹) مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ

(۱۰) مولانا موسی روحانی بازیؒ

(۱۱) مولانا نیاز محمد ختنی ترکستانیؒ

(۱۲) مولانا یوسف متالا صاحبؒ

حضرتؒ کا انتقال عاشورہ یعنی دسویں محرم الحرام ۱۴۴۱ھ کو ہوا، یہی تاریخ وفات حضرت جی مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ کی بھی ہے، حضرت جی ثالث کا انتقال ۱۰ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ کو ہوا تھا۔

حضرت مولانا مرحوم کی تاریخ ولادت یکم محرم الحرام ۱۳۶۶ھ ہے اور انتقال ۱۰ محرم الحرام ۱۴۴۰ھ ہے، تو ولادت اور وفات دونوں ایک ہی مہینہ میں واقع ہوئی، یہی بات ہمیں مبلغ اسلام حضرت مفتی زین العابدینؒ کے حالات میں بھی ملتی ہے، آپ کی تاریخ ولادت ۶ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ اور انتقال ۲۴ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ ہے۔

ان کی زندگی کی کہانی طویل ہے عاجز
اک عمر چاہئے تکمیل داستاں کے لئے
روز وشب صبح ومساء یہی ہے دعا سلیم
خدا عطا کرے حضرت کو فردوس نعیم
زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی ترا سفر
مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستان ہو ترا
آسماں تری لحد پر گوہر افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب پٹیل رویدروی

رحمہ اللہ سابق مہتمم جامعہ مظہر سعادت، ہانسوٹ

حضرت مولانا عبداللہ پٹیل کے انتقال پر یہ مضمون تحریر کیا تھا اسے من وعن پیش کردیا ہے۔

بخدا کسی کا مکان نہیں

نہ ولی رہے، نہ غنی رہے

نہ سخی رہے، نہ نبی رہے

یہ اجل کا خواب ہی خواب ہے

کوئی ایسا خواب گراں نہیں

یہ سرائے دہر مسافروں

بخدا کسی کا مکان نہیں

جو مقیم اس میں تھے کل یہاں

کہیں آج ان کا نشان نہیں

یہ رواں عدم تو ہے کارواں

بشر آگے پیچھے ہیں سب رواں

چلے جاتے سب ہیں کشاں کشاں

کوئی قید پیر و جواں نہیں

انتقال

گذشتہ کل بتاریخ ۸ ستمبر ۲۰۲۰ء بروز منگل اذان فجر کے وقت سرزمین گجرات

سے تعلق رکھنے والے بزرگ عالم دین،سابق شیخ الحدیث جامعہ مظہر سعادت،ہانسوٹ، گجرات،انڈیا حضرت مولانا مفتی عبد اللہ صاحب پٹیل رویدروی مالک حقیقی سے جا ملے،انا للہ وانا الیہ راجعون

اللھم اغفر لہ وارحمہ، وعافہ واعف عنہ، واکرم نزلہ ووسع مدخلہ، واغسلہ بالماء والثلج والبرد، ونقہ من الخطایا کما نقیت الثوب الابیض من الدنس، وادخلہ الجنۃ، واعذہ من عذاب القبر ومن عذاب النار

کیسی کیسی شخصیات پچھلے کچھ مہینوں میں
دیکھتے ہی دیکھتے رخصت ہوئیں
کل تلک جو ہستیاں تھیں ہمارے درمیاں
آج خاک گور کی زینت ہوئیں

شفا ہماری تقدیر میں نہ تھی،مقدور تک تو دوا کر چلے

حضرت ایک طویل عرصہ سے بیمار چل رہے تھے، بیماری کا علاج بھی ہوتا رہا مگر مکمل شفایاب نہ ہو سکے۔

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
شفا ہماری تقدیر میں نہ تھی

مقدور تک تو دوا کر چلے (میر تقی میر بتغیر)

ذہانت

حضرت بڑے ذہین تھے، جامعہ ڈابھیل میں ان کے ہم سبق رہے حافظ عبدالحق حافظجی، حال مقیم لندن نے بتایا کہ حضرت مولانا ہماری جماعت میں امتحان میں اول پوزیشن حاصل کرتے تھے، نیز ساتھیوں کو تکرار بھی وہی کراتے تھے، استاذ جو سبق پڑھاتے انہیں وہ سبق موقعہ پر ہی ذہن نشین ہو جاتا تھا۔

ہر درویشے کہ چوں و چرا کند و ہر طالب علمے کہ چوں و چرا نہ کند

ہر دو را در چراگاہ باید فرستاد

مرحوم استاذ جی سے دوران سبق اکثر سوالات بھی کیا کرتے تھے، طالب علم کو ایسا ہی ہونا بھی چاہئے، مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ فرماتے تھے کہ جو طالب علم استاذ سے معقول سوال کرتا ہے یہ اس کے سبق سمجھ آجانے کی علامت ہوا کرتی ہے، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ فرماتے تھے کہ "ہر درویشے کہ چوں و چرا کند، و ہر طالب علمے کہ چوں و چرا نہ کند، ہر دورا در چراگاہ باید فرستاد، معلوم ہوا طالب علم کو چوں و چرا کرنا چاہئے (الافاضات الیومیہ جلد دہم ص ۱۶۷ بتغیر)

من طلب العلی سهر اللیالی

جامعہ ڈابھیل کے آپ کے ایک اور ساتھی مولانا احمد سرکار کفلیتوی دامت

برکاتہم حال مقیم باٹلی نے بتایا کہ ڈابھیل جامعہ میں ہمارا کمرہ اور مولانا کا کمرہ ساتھ ساتھ ہی تھا، مرحوم بہت محنتی تھے دیر رات تک رہائش گاہ پر ''صفوۃ المصادر،، کا سبق زور زور سے یاد کرتے رہتے، ہم ان سے کہتے بھی کہ یار! بہت دیر ہوگئی ہے اب ہمیں سونے دو، مگر بات وہی ہے کہ ؎

بقدر الکد تکسب المعالی

من طلب العلی سهر اللیالی

ومن رام العلا من غیر کد

اضاع العمر فی طلب المحال

تروم العز ثم تنام لیلا

یغوص البحر من طلب الآلی (حضرت امام شافعیؒ)

ترجمہ: محنت کے بقدر ہی درجات میں ترقی ہوتی ہے، سر بلندی کے طالب پر ''شب بیداری،، لازم ہے، اور جس نے بلا محنت بلند مقام حاصل کرنا چاہا اس نے امر محال کے حصول میں عمر ضائع کر دی، تو رات بھر سو کر عزت حاصل کرنا چاہتا ہے؟ حالانکہ موتی کا طالب تو سمندر میں غوطہ زن رہتا ہے۔

حضرتؒ نے دور طالب علمی میں علمی ترقی کے لئے اپنے آپ کو خوب تھکایا تھا، واقعہ بھی یہی ہے کہ کسی بھی چیز کے حصول کے لئے محنت اولین شرط ہوتی ہے، بقول شخصے ؎

بغیر اس کے ہرگز کسی نے نہ پائی

فضیلت نہ عزت نہ فرماں روائی

وہی لوگ پاتے ہیں عزت زیادہ

جو کرتے ہیں دنیا میں محنت زیادہ

نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا

انتھک محنت اور علمی لگن نے آپ کو ڈابھیل جامعہ اور مظاہر علوم سہارنپور میں اساتذہ کا منظور نظر بنا دیا تھا، بعد میں اسی محنت اور اساتذہ کی دعاؤں نے آپ کو شیخ الحدیث کے منصب تک پہنچایا۔

نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا

سو بار جب عقیق کٹا تب نگیں ہوا

حضرت مولانا جامعہ ہانسوٹ کے چندہ کے سلسلہ میں غالباً ۱۹۸۶ء میں برطانیہ تشریف لائے تھے اس وقت ہماری مسجد مسجد قبا لندن کے پیش امام تھے آپ کے ہی گاؤں رویدرا سے تعلق رکھنے والے مولانا اسماعیل صاحب سیدیوت دامت برکاتہم اس وقت کرایہ کے جس مکان میں رہتے تھے وہ مکان کافی چھوٹا تھا، حضرتؒ نے اس بات کا احساس کرلیا کہ حضرت امام صاحب کا مکان جتنے افراد گھر میں رہ رہے ہیں اس اعتبار سے کافی چھوٹا ہے لہذا مجھے ان پر بوجھ نہیں بننا چاہئے مگر اور کوئی جگہ رہنے کے لئے اس کے علاوہ تھی بھی نہیں لہذا آپ وہیں رکے رہے اور

خیال تھا کہ کوئی اور جگہ رہائش کا انتظام ہوگا تو وہاں منتقل ہوجاؤں گا تین چار روز گذرے تھے کہ آپ کی ملاقات ہوئی حافظ عبدالحق صاحب آشنوی سے علیک سلیک کے بعد معلوم ہوا کہ حافظ صاحب موصوف تو آپ کے جامعہ ڈابھیل کے ساتھی ہے، حضرت نے لندن اپنی آمد کا مقصد بیان کیا حافظ صاحب نے کہا کہ میرے لائق کوئی خدمت ہوتو ضرور بتانا، اس پر حضرت نے کہا کہ میرے لئے کہیں رہائش کا انتظام ہوسکتا ہوتو کر دیجئے، ساتھ یہ بھی کہا کہ میں دن بھرتو گھر سے باہر رہوں گا صرف شب باشی کے لئے جگہ کی ضرورت ہے، اور فرمایا کہ میرا دونوں وقت کا کھانا دوپہر اور رات کا باہر ہی کھالوں گا، حافظ صاحب نے کہا کہ آپ میرے مکان پر رہ سکتے ہو چنانچہ آپ تقریباً چالیس روز تک وہاں قیام کیا، حافظ صاحب کے ساتھ صرف صبح کا ناشتہ کرتے تھے، لندن میں ایک علاقہ ہے وہائٹ چیپل جہاں بنگلہ دیشی مسلمان رہائش پذیر ہیں وہ حضرات انڈیا پاکستان کے مدارس میں چندہ کم دیتے تھے یہ حضرت کی شخصیت کا جادو تھا یا کچھ اور کہ انہوں نے حضرت کے ادارہ کا دل کھول کر تعاون کیا، حافظ صاحب فرماتے تھے کہ مولانا مرحوم پر کام کی ایسی دھن سوار تھی کہ اسی کام کو اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا دن بھر اس کے لئے ادھر ادھر چکر کاٹتے آرام تو گویا انہوں نے اس دوران خود پر حرام کرلیا تھا۔

اس بزم سے سب کے سب اٹھتے جاتے ہیں
تسکین کے جو تھے سبب سب اٹھتے جاتے ہیں
بیٹھے بیٹھے کیسا دل گھبرا جاتا ہے
جانے والوں کا جانا جب یاد آجاتا ہے

حضرت مولانا محمود شبیر بن حضرت مولانا محمد سعید صاحب راندیری سابق مہتمم جامعہ حسینیہ راندیر

حضرت مولانا عبداللہ پٹیل کے انتقال پر یہ مضمون تحریر کیا تھا اسے من وعن پیش کردیا ہے۔

رحلت کا سلسلہ تسلسل کے ساتھ جاری ہے

''کووڈ ۱۹،، کی وجہ سے ''ہندو پاک،، میں ''لاک ڈاؤن،، کا اعلان ہوا ہے اس وقت سے لے کر اب تک اور اس میں بھی خاص طور سے رمضان المبارک سے لے کر آج جب میں یہ تحریر قلمبند کر رہا ہوں ہندو پاک سے علماء کرام کے اس جہان فانی سے عالم بقا کی طرف رحلت کا سلسلہ تسلسل کے ساتھ جاری ہے، اس میں ایک نیا نام گجرات کی قدیم ومشہور دینی درسگاہ ''جامعہ حسینیہ راندیر کے مہتمم اور میرے استاذ مکرم حضرت مولانا مفتی محمود شبیر صاحب راندیری کا ہے،، گذشتہ پیر کی صبح آپ اللہ تعالی کو پیارے ہوگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون

اللھم اغفر لہ وارحمہ، وعافہ واعف عنہ، واکرم نزلہ ووسع مدخلہ، واغسلہ بالماء والثلج والبرد، ونقہ من الخطایا کما نقیت الثوب الابیض من الدنس، وادخلہ الجنۃ، واعذہ من عذاب القبر ومن عذاب النار

قریۃ الصالحین سے نسبت

اللہ تبارک وتعالی نے آپ کو راندیر جیسی علمی بستی میں پیدا فرمایا جس کو ''قریۃ الصالحین،، بھی کہا جاتا ہے، آپ نے ۲۳ ربیع الاول ۱۳۷۱ھ مطابق ۲۳

جون ۱۹۵۲ء کو ایک علمی گھرانے میں آنکھیں کھولی، جہاں ہر طرف علم ہی علم کا چرچا تھا، آپ کے والد مرحوم حضرت مولانا محمد سعید صاحب راندیری کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے (ان کا کچھ ذکر خیر آگے آئے گا)۔

تعلیم

اپنے آباؤ اجداد کے قائم کردہ ادارہ ''جامعہ حسینیہ راندیر میں،، درجۂ عالمیت کی تکمیل کی، تکمیل کا سال تھا ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۹۷۲ء تھا۔

اساتذہ

جامعہ حسینیہ میں آپ نے جن اساتذۂ کرام کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا ان میں سے چند ایک کے اسماء گرامی یہ ہیں

(۱) مولانا احمد اللہ صاحب راندیریؒ

(۲) والد ماجد حضرت مولانا محمد سعید صاحب راندیریؒ

(۳) مولانا اسماعیل ملا (موٹا) راندیریؒ

(۴) مولانا شمس الدین صاحب افغانیؒ

(۵) مولانا غلام رسول صاحب بورسدیؒ

(۶) مولانا اسماعیل واڈی والا صاحبؒ

(۷) مولانا اسلام الحق صاحبؒ

کیا فرق ہے؟

جس سال دورۂ حدیث میں تھے اس سال کا واقعہ ہے آپ کے والد ماجد مولانا محمد سعید صاحب راندیریؒ مدرسہ کی چھٹی کے بعد دورۂ حدیث کے طلباء کو ''مؤطا مالک،، کا درس دیتے تھے، جس سال آپ کی جماعت دورۂ حدیث میں تھی ،حضرت مہتمم صاحبؒ نے مولانا غلام رسول بورسدی صاحبؒ کو طلب کیا اور فرمایا کہ آئندہ کل سے ''مؤطا مالک،، کا درس آپ کو دینا ہے، مولانا غلام رسول بورسدی صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضرت !اس سال نہیں، آئندہ سال ان شاء اللہ،اور وجہ یہ بیان کی کہ امسال آپ کے صاحبزادے مولوی شبیر ''دورۂ حدیث،، میں ہیں، انہیں بھی خوشی ہوگی کہ میں نے ''مؤطا مالک،، والد صاحب سے پڑھی ہے، اس لئے اس سال مؤطا مالک کا درس آپ ہی دیں ،اس پر مہتمم صاحبؒ کا جواب تھا کہ میرے پاس پڑھنے میں اور تمہارے پاس پڑھنے میں کیا فرق ہے شبیر کو ایک واسطہ سے مجھ سے تعلق ہو جائے گا، اس پر مولانا غلام رسول صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضرت ! آپ کتاب شروع کرادے آگے میں پڑھالوں گا، حضرت مہتمم صاحب نے فرمایا کہ نہیں، آپ ہی کتاب شروع کرے اسی میں ان شاء اللہ خیر ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ

حسینیہ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کے بعد آپ نے ام المدارس دار العلوم

دیوبند کا رخ کیا، وہاں دو بارہ دورۂ حدیث پڑھا، دار العلوم میں آپ نے جن اساطین علم سے اکتساب فیض کیا ان کے اسماء اس طرح ہیں

(۱) مولانا شریف الحسن صاحبؒ

(۲) مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ

(۳) مولانا عبد الاحد صاحب دیوبندیؒ

(۴) مولانا نصیر احمد خاں صاحبؒ

(۵) مولانا حسین احمد ملا بہاریؒ

(۶) مولانا نعیم احمد صاحب دیوبندیؒ

(۷) مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ

(۸) مولانا انظر شاہ صاحب کشمیریؒ

(۹) مولانا معراج الحق صاحبؒ

(۱۰) مولانا نظام الدین صاحبؒ

من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین

مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحبؒ کے ملفوظات میں ہے،

فرمایا کہ: امام محمد کا جب انتقال ہوا اور حق تعالی کے یہاں پیشی ہوئی تو حق تعالی نے فرمایا مانگو، کیا مانگتے ہو، عرض کیا ''اللھم اغفرلی،، اے اللہ! مجھے بخش دیجئے، ارشاد ہوا اے محمد! اگر تمہیں عذاب دینا ہوتا تو تم کو علم فقہ (دین کی سمجھ) عطا

نہ کرتے۔

اس سے بعض علماء نے استنباط کیا ہے کہ کسی کو کچھ معلوم نہیں کہ اس کے ساتھ اللہ تعالی کا کیا برتاؤ ہوگا، بجز علماء کے، ان کو معلوم ہے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے ''من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین،، جس کے ساتھ حق تعالی بھلائی چاہتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ علماء ربانی جانتے ہیں کہ اللہ تعالی ان کے ساتھ بھلائی چاہتے ہیں، استاذ مرحوم کے متعلق بھی ہم اس اعتبار سے کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالی کو آپ کے ساتھ بھلائی منظور تھی۔

خاموش طبیعت کے مالک تھے

سب ہوں گے اس سے اپنے تعارف کی فکر میں
اس کو اس کے سکوت سے پہچانا جائے گا
تم اس خموش طبیعت پہ طنز مت کرنا
وہ سوچتا ہے بہت اور بولتا کم ہے

استاذ مرحوم کم گو طبیعت کے مالک تھے، بندہ نے جامعہ حسینیہ میں اپنے دور طالب علمی میں استاذ مرحوم کو کبھی کسی استاذ، طالب علم، یا مدرسہ کے کارکن سے بلا ضرورت گفتگو کرتے نہیں دیکھا۔

خاموشی کے کچھ فوائد

خاموشی دو فریقوں کے درمیان غلط فہمیاں پیدا نہیں ہونے دیتی، خاموشی آپس میں تفرقہ پیدا کرنے سے روکتی ہے اور بدگمانی کو دور کرتی ہے، خاموشی مضبوط قوت ارادی کی علامت ہے، خاموشی سے انسان اپنے کام میں لگن اور ہمت پیدا کرسکتا ہے، ملفوظات مسیح الامت ج ۳ ص ۷۷ پر ہے کہ یہ سلوک کا مسئلہ ہے کہ جب تک کسی سے بولنے کی سخت ضرورت پیش نہ آئے نہ بولو، جس کو تقلیل کلام کہتے ہیں، یہ اس آیت سے مستنبط ہوتا ہے ''یا ایھاالذین آمنوا التقواالله وقولوا قولا سدیدا،، اے ایمان والو! اللہ تعالی سے ڈرو اور ٹھیک ٹھاک بات کہو، اور یہ حالت بلا سکوت اور خاموش رہے نہیں حاصل ہوتی کیونکہ جس کو ہر وقت بولتے رہنے کی عادت ہوگئی ہے وہ بولنے میں احتیاط کس طرح کرسکتا ہے، بولنے میں احتیاط اور قول سدید اسی وقت ہوسکتا ہے جب بلاضرورت کلام نہ کرے، جب بولے سوچ کر بولے، اسی کو حدیث پاک میں بھی بیان کیا گیا ہے، ارشاد ہے ''من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعینه،، آدمی کے اسلام کی خوبصورتی میں سے یہ بات ہے کہ لا یعنی بات چھوڑ دے، لایعنی اس کلام کو کہتے ہیں جس میں نہ دینی کوئی مصلحت ہو نہ جائز دنیا کی، تو یہ حالت بلا تقلیل کلام کے حاصل نہیں ہوسکتی، بس قرآن وحدیث سے یہ مسئلہ تقلیل کلام کا ثابت ہوگیا۔

ایسی ویسی باتوں سے تو اچھا ہے خاموش رہو
یا پھر ایسی بات کہو جو خاموشی سے اچھی ہو (نواز دیوبندی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصف خاموشی کو ''ذریعۂ نجات،، بتایا ہے، زبان رسالت نے فرمایا ''**من صمت نجا**،، جو شخص خاموش رہا اس نے نجات پائی، نیز فرمایا کہ ''**من کان یومن باللہ والیوم الاخر فلیقل خیرا او لیصمت**،، جو شخص اللہ تعالی اور آخرت کے دن پر یقین رکھتا ہو اسے چاہئے کہ بھلی بات کہے یا پھر خاموش رہے۔

نیز فرمایا کہ پہلے صوفیاء کے یہاں تصوف میں ترقی کے کے لئے تین ''کم،، پر بہت زور دیا جاتا تھا (۱) کم خوردن (۲) کم خفتن (۳) کم گفتن،، کم کھانا، کم سونا، کم بولنا، پھر بعد کے دور کے صوفیاء نے ''دوکم،، ہٹا دیئے وہ تھے ''کم خوردن،، ''کم خفتن،، اس لئے کہ اب قوٰی کم زور ہو گئے ہیں وہ اب ان دو میں کمی کی برداشت کے متحمل نہیں رہے، مگر وہ دوکم جو ہٹائے گئے تھے اسے ''تیسرے ''کم،، کے ساتھ لگا دیا یعنی ''کم، کم، کم گفتن،، کیونکہ آج کے دور میں لوگوں کو بلا ضرورت اور ضرورت سے زیادہ بولنے کا نہ صرف ہیضہ بلکہ مرض لگ چکا ہے الا ماشاء اللہ، اللہ تعالی اس مرض سے ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

ایک اہم وصف

حسینیہ میں درجہ عالمیت کی درس گاہیں جامعہ کی مسجد کے بالائی حصہ پر ہیں وہاں

تک پہنچنے کے لئے سیڑھی کا سہارا لینا پڑتا ہے، سیڑھی سے قریب ہی جامعہ کا دفتر ہے ، میں نے طالب علمی کے زمانہ میں دیکھا کہ حضرت اپنے گھر سے پیدل جامعہ تشریف لاتے ، آپ کے والد مرحوم جامعہ ھذا کے روح رواں رہ چکے ہیں اور حضرت مولانا اسماعیل ملا (موٹا) کے بعد آپ کو ہی جامعہ کا اہتمام سنبھالنا تھا، لیکن اس کے باوجود استاذ مرحوم نے حضرت مولانا اسماعیل صاحب کے دور اہتمام میں اہتمام کے کام اور جامعہ کے انتظامی امور میں کبھی کوئی دخل نہیں دیا، اور نہ ہی کبھی آپ نے بلاضرورت دفتر اہتمام کا رخ کیا، آپ اپنے کام سے کام رکھتے تھے، گھر سے سیدھے درس گاہ میں تشریف لاتے ، اسباق پڑھاتے اور جیسے ہی مدرسہ کا وقت ختم ہوتا سیدھے گھر کا رخ کرتے تھے، حضرت کے اس عمل میں مدرسین کے لئے ایک اہم پیغام اور سبق ہے کہ مدرس کو اپنے کام سے کام رکھنا چاہئے ، ادارے کے اہتمام اور انتظامی امور میں بلا اجازت دخیل نہیں ہونا چاہئے، مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب کا ملفوظ ہے کہ مدرس کو چاہئے کہ مدرسہ میں داخل ہو، دخیل نہ ہو، آج اس معاملے میں اساتذہ کی طرف سے کوتاہی دیکھنے میں آتی ہے اور ان کا یہی عمل پھر ان کے ادارے سے .... کا سبب بنتا ہے۔

سابق شیخ الحدیث ام المدارس دار العلوم دیوبند مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ فرماتے تھے کہ مدرس کو اپنے کام سے غرض ہونی چاہئے، نظم و انتظام سے سروکار نہیں ہونا چاہئے ، مدرسہ اس کا نہیں ہے، وہ جانے اور اس کا کام، اور اگر

مدرس کو مہتمم بننے کا شوق ہے اور تعلیم کی اصلاح کا جذبہ ہے تو وہ ہٹ کر اپنی دوکان علیحدہ کھولے، ''اللہ کا ملک تنگ نہیں، اور گدا کا پیر لنگ نہیں،، دوسرے کے مدرسہ میں اٹھل پتھل کرنا اور اپنی پوزیشن خراب کرنا دانشمندی کی بات نہیں (تحفۃ الالمعی ج۵)

وطن میں رہ کے بھی عزت مجھے ملی

عموماً دیکھنے میں آتا ہے کہ آدمی جس سرزمین میں پیدا ہوتا ہے اسے وہاں اللہ تعالی نے اس کو جن کمالات وخوبیوں سے نوازا ہوتا ہے اس کے مطابق عزت ومقام نہیں ملتا یا کہئے نہیں دیا جاتا، وہاں اس کی ویسی قدر نہیں ہوتی (یا کی جاتی) جس کا وہ حق دار ہوتا ہے، اسی لئے شاعر کو بھی کہنا پڑا ہے کہ ؎

سر پھول وہ چڑھا جو چمن سے نکل گیا

عزت اسے ملی جو وطن سے نکل گیا (امیر مینائی)

مگر کچھ ایسے خوش نصیب افراد بھی ہوتے ہیں جن کو اپنے وطن اپنی جائے پیدائش میں ان کے مقام کے مطابق عزت وسربلندی نصیب ہوتی ہے، اہل بستی ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، استاذ مرحوم انہیں خوش نصیب لوگوں میں سے تھے، نواز دیوبندی کی رباعی آپ کی شخصیت پر بالکل صادق آتی ہے ؎

سب کا خلوص سب کی عنایت مجھے ملی

میں خوش نصیب ہوں کہ محبت مجھے ملی

وہ اور ہوں گے جن کو وطن چھوڑنا پڑا

وطن میں رہ کے بھی عزت مجھے ملی

بارعب شخصیت کے مالک تھے

استاذ مرحوم طلباء کی پٹائی کے قائل نہیں تھے، جہاں تک میری معلومات ہے کسی طالب علم پر''ضــــرب، یــضــــرب، ،کی گردان کی عملی مشق آپ نے نہیں کی،البتہ یہ بات تھی کہ اللہ تعالی نے آپ کو قدرتی رعب عطا فرمایا تھا،اس کا اثر طلباء اور اساتذہ پر دیکھا جا سکتا تھا،آپ کی درس گاہ میں کوئی بھی طالب علم درس اور درس گاہ کے نامناسب حرکت نہیں کرتا تھا،آپ کبھی کسی وجہ سے درس گاہ میں حاضر نہیں بھی ہوتے تھے تو اس وقت بھی آپ کی درس گاہ میں مکمل خاموشی چھائی رہتی تھی۔

مطالعہ

انسان کو بناتا ہے اکمل مطالعہ

ہے چشم دل کے واسطے کاجل مطالعہ

دنیا کے ہر ہنر سے ہے افضل مطالعہ

کرتا ہے آدمی کو مکمل مطالعہ

کرتا ہے دور جہل کی دلدل مطالعہ

تعلیم کو بڑھاتا ہے بس مطالعہ

ہے تجربہ خوب سمجھتے ہیں وہ سبق

جو دیکھتے ہیں غور سے اول مطالعہ

ہم کیوں مطالعہ نہ کریں ذوق وشوق سے

کرتے نہیں ہیں احمق واجہل مطالعہ

ناقص وہ تمام عمر رہتے ہیں علم سے

ہوتا نہیں ہے جن کا مکمل مطالعہ

کھلتے ہیں راز علم کے انہیں کے قلوب پر

جو دیکھتے ہیں دل سے مسلسل مطالعہ

ہے تشنگان رشد وہدایت کے واسطے

اصرار عقل ونقل باول مطالعہ

اسعد مطالعہ میں گزاروں تمام عمر

ہے علم وفضل کے لئے مشعل مطالعہ

علمی پختگی اور علمی استحضار کے لئے مطالعہ بہت ضروری ہے

علمی پختگی اور علمی استحضار کے لئے مطالعہ بہت ضروری ہے، علمی اعتبار سے جتنی بھی بڑی شخصیات گزری ہیں انہوں نے مطالعہ پر مواظبت فرمائی ہے، مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ ایک جگہ تحریر کرتے ہیں کہ چند کتابیں پڑھ کر یا پانچ سال، آٹھ سال پڑھ کر اپنے آپ کو عالم نہ سمجھیں، علم ایک وسیع دریا ہے جو آٹھ

سال میں طے نہیں ہوا کرتا، یہ درس نظامی جو مدرسوں میں پڑھایا جاتا ہے اس کا مقصد تو صرف یہ ہے کہ ہمارے اکابر نے جو کتابیں لکھی ہیں ہم انہیں سمجھنے اور حل کرنے کے قابل ہو جائیں، علم کا دروازہ تو اس کے بعد کھلنا شروع ہوتا ہے وہ بھی اس وقت جبکہ مطالعہ پر مواظبت رہے، اسی لئے ''سند،، کے اندر ہمارے اکابر یہ عبارت لکھتے ہیں ''ان استمر علی المطالعة ،، اگر یہ طالب علم مطالعہ کے اوپر مداومت کرے گا تو اس سے ہم یہ امید کرتے ہیں کہ یہ دین کا اچھا کام کرے گا، معلوم ہوا کہ ہر عالم کے لئے اہتمام کے ساتھ ''مطالعہ،، بہت ضروری ہے تبھی جا کر علم تازہ و مستحضر رہتا ہے اور علم میں وسعت، عمق اور گہرائی پیدا ہوتی ہے۔

مرتے دم تک خود کو طالب علم سمجھے

نیز تحریر فرمایا کہ میں روزانہ کتابیں پڑھتا ہوں کبھی چالیس صفحے پڑھ لئے، کبھی پچاس صفحے پڑھ لئے، جب تک ہم زندہ ہیں ہم طالب علم ہیں، اگر آدمی اپنے آپ کو مرتے دم تک طالب علم نہ سمجھے تو وہ علم حاصل نہیں کرسکتا۔

علمی کمالات کی اصل مطالعہ اور کتب بینی ہے

علمی کمالات کی اصل ''مطالعہ،، اور ''کتب بینی،، ہے، یہی ایک ایسا ذوق ہے جس کو ہر علم دوست اور ہر دانا نے اپنی زندگی کا نصب العین بنایا اور تمام زندگی کو اس ذوق کی تکمیل پر ہی صرف کر دیا۔

مطالعہ معدوم لہذ ا علمیت معدوم

مولانا حبیب الرحمٰن شیروانیؒ تحریر کرتے ہیں کہ امام زہری ہوں، یا امام مزنی،حکیم فارابیؒ ہو، یا شیخ الرئیس ان کے علمی کمالات کی بنیاد ''مطالعہ کی کثرت،، تھی کہ ایک ایک کتاب کو سوسو بار پڑھتے تھے اور پچاس پچاس برس دیکھتے،اب ''مطالعہ معدوم لہذ ا علمیت معدوم (علمائے سلف ص۴۴)

کتابیں اور مطالعہ آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا

استاذ مرحوم وسیع المطالعہ تھے، دینی کتب کے مطالعہ کے بے حد شوقین بلکہ یوں تحریر کروں تو بیجا نہ ہوگا کہ مطالعہ آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا، جہاں آپ خود مطالعہ کے پابند تھے وہیں آپ کی خواہش رہتی کہ طلباء کے اندر مطالعہ کے ذوق کو خوب بیدار کیا جائے اس کے لئے آپ الگ الگ طرح سے کوششیں کرتے تھے، علمی دنیا میں جو بھی نئی کتاب آتی عربی یا اردو کی اس پر آپ کی نظر رہتی تھی، انٹرنیٹ کے اس دور میں کتابوں تک رسائی بھی بہت آسان ہوگئی ہے، آپ یہ کرتے تھے کہ بہت سی کتابیں نیٹ کے ذریعہ طالب علم سے اپنے لئے ڈاؤن لوڈ کرواتے اور پھر فون کی سکرین کے توسط سے مطالعہ کرتے تھے۔

دیوبند سے کتابیں منگوا کر طلباء میں فروخت کرتے

آپ کا یہ بھی معمول تھا کہ سال میں ایک مرتبہ دیوبند سے کچھ کتابیں بذریعہ پارسل منگوا کر جامعہ کے طلباء میں فروخت کرتے تھے، اور جو محنتی طالب علم غریب

ہوتا اسے مفت کتاب دیتے، ہمارے دورۂ حدیث کے سال بھی آپ نے اسی طرح طلباء میں فروخت کرنے کے لئے کتابیں منگوائی تھیں، مجھے یاد ہے میرے حصہ میں بھی دو کتاب آئی تھی ،خطبات احتشام الحق ،خطبات لدھیانوی ساری کتابیں بہت جلد فروخت ہوگئی تھی اس پر حضرت نے فرمایا تھا کہ مولوی صاحب! دیکھا کتابیں کتنی جلدی فروخت ہوگئی نیز فرمایا کہ ایسی کتابیں منگوانی چاہئے کہ فوری طور پرفروخت ہوجائے۔

تدریس

سنا ہے اس کو سخن کے اصول آتے ہیں
کرے کلام تو باتوں سے پھول آتے ہیں
اس کے پڑھانے میں ہے مٹھاس ایسی
بیمار بھی ہوتو بچے پڑھنے ضرور آتے ہیں

استاذ مرحوم نے ایک تدریسی گھرانے میں آنکھیں کھولی تھی،اس لئے معلّمی آپ کے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی،تدریسی ماحول آپ کو اپنے والد بزرگوار کی گود سے ملا تھا،آپ نے فراغت کے بعد سے لے کر زندگی کی آخری سانس تک اس عمل کو ترک نہیں کیا،زندگی کے اخیری چند سال آپ نے جامعہ حسینیہ کا منصب اہتمام بھی سنبھالا مگر اس وقت بھی آپ سلسلۂ تدریس سے منسلک رہے،تدریس سے آپ کو عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔

تدریسی زبان بالکل آسان اختیار فرماتے

تدریس میں ایک دم آسان اردو بولتے ،انداز گفتگو بھی بالکل انوکھا تھا جو سننے سے تعلق رکھتا تھا۔

درس سننے کے لئے ہوتا ہے، لکھنے کے لئے نہیں

آپ کا درس طلباء میں بہت مقبول تھا،خاص کر آپ کا ترجمۂ قرآن،آپ کے ذمے جس کتاب کا درس ہوتا اس کا بھر پور مطالعہ اور درس کی مکمل تیاری کر کے آتے تھے،آپ کا درس معلومات سے پر ہوتا تھا،آپ اس بات کے قائل نہیں تھے کہ دوران درس طلباء آپ کی درسی باتیں قلمبند (نوٹ) کرے،اس تعلق سے فرماتے تھے کہ میرے درس کو غور سے سنو،درس سننے کے لئے ہوتا ہے لکھنے کے لئے نہیں اگر تمہیں لکھنا ہی ہے تو میری کہی باتوں کو یاد رکھو اور بعد میں اپنے طور سے اسے کاپی میں نوٹ کرلو۔

بلاضرورت درس گاہ سے غیر حاضر نہ رہتے

مدرسہ کے اوقات میں بہت کم استنجاء یا کسی اور ضروری کام سے درس گاہ سے باہر جاتے تھے،اور جب آپ وقتی ضرورت سے باہر جاتے بھی تو طلباء پر آپ کے رعب کا یہ اثر تھا کہ آپ کی غیر موجودگی میں بھی آپ کی درس گاہ میں سناٹا طاری رہتا۔

درس گاہ کے وقار کو باقی رکھا جائے

درس میں حسب موقع وحسب ضرورت مزاح بھی فرماتے ،مگر اس میں بھی آپ کو اس بات کا خیال رہتا کہ درس گاہ کے وقار کو باقی رکھا جائے ،اگر کوئی طالب علم آپ کے درس میں زور سے ہنستا تو اس عمل کو ناپسند فرماتے اور یوں گویا ہوتے کہ آپ کو ہنسنا بھی نہیں آتا۔

وقت کی پابندی مثالی تھی

تعلیمی اوقات کے خوب پابند تھے بلکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ وقت کی پابندی مثالی تھی ، پورے سال میں بہت کم غیر حاضری ہوتی، اس معاملے میں یوں تحریر کروں تو شاید بیجا نہ ہوگا کہ آپ درس میں غیر حاضری کو گناہ کبیرہ سے کم نہیں سمجھتے تھے۔

دوران درس پانی پینے کی عادت تھی

دوران درس پانی پینے کی عادت تھی،صبح جیسے ہی درس گاہ میں داخل ہوتے آپ کے لئے تازہ پانی لاکر رکھ دیا جاتا۔

دوران درس وقتاً فوقتاً طلباء کو غیر درسی کتابوں کے مطالعہ کی ترغیب دیتے

دوران درس وقتاً فوقتاً طلباء کو غیر درسی کتابوں کے مطالعہ کی ترغیب بھی دیتے ،اور کچھ کتابوں کے نام بھی ذکر کرتے کہ فلاں کتاب دیکھو، جو بھی نئی کتاب درسی یا غیر درسی منظر عام پر آتی آپ کی اس پر نظر رہتی تھی،اور ان میں سے جس کتاب کو

آپ طلباء کے لئے مفید تصور کرتے درس میں طلباء سے اس کا ذکر کرتے۔

پرندہ کوئی موسم ہو ٹھکانے تک پہنچتا ہے

ہمارا تیر کچھ بھی ہو نشانے تک پہنچتا ہے

پرندہ کوئی موسم ہو ٹھکانے تک پہنچتا ہے

ایک دن درس میں فرمایا کہ انڈیا میں بہت سے پرندے آسٹریلیا اور سائبریا سے ہجرت کر کے آتے ہیں، ان ہجرت کر کے آنے والے پرندوں میں تلور، بطخیں، مالرڈز، ٹیلزا وغیرہ ہیں، یہ پرندے کئی ہزار کلو میٹر کا فاصلہ عبور کر کے انڈیا پہنچتے ہیں اور پھر واپس اسی راستہ سے جس راستے سے وہ آئے ہوتے واپس اپنے مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔

اخبار بینی کے تعلق سے ذوق اکابر

(۱) بعض اکابر اخبار بینی سے مکمل پرہیز کرتے تھے۔

مثال ۔جب کانگریس کی تحریک شباب پر تھی ہر کانگریسی جیل میں ٹھونس دیا گیا تھا، مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ اچانک اپنے استاذ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے در دولت پر تشریف لائے، علامہ صاحبؒ اس وقت ''اخبار،، کا مطالعہ کر رہے تھے، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ سلام کر کے بیٹھ گئے اور عرض کیا کہ حضرت! سنا ہے ملک میں کوئی تحریک چل رہی ہے، علامہ نے ''اخبار،، ان کی طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ ''لیجئے، مطالعہ کیجئے،، مولانا محمد

ادریس صاحبؒ نے ''اخبار،، کے صفحات گنے جو آٹھ تھے،فرمایا کہ اگر کتاب کے آٹھ صفحات کا مطالعہ ہوتو کتنا فائدہ ہوگا، یہ کہہ کر یہ جا، وہ جا،علامہ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے (نقش دوام ص ۶۵)

(۲) بعض اکابر خودتو ''اخبار بینی،، کے عادی نہیں تھے البتہ احباب سے چیدہ چیدہ خبریں معلوم کرلیتے تھے۔

مثال۔ مفتی نیاز محمد ختنیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ ''اخبار،، کا مطالعہ نہیں کرتے تھے بلکہ احباب سے چیدہ چیدہ اہم خبریں معلوم فرمالیتے اس طرح حالات حاضرہ سے باخبر رہتے (مشک ختن ص ۱۲۸)

(۳) بعض اکابر ''اخبار بینی،، کے عادی تھے۔

مثال۔اشاعت خاص (مولانا محمد منظور نعمانیؒ) ماہنامہ الفرقان ۱۹۹۵ء تا ۱۹۹۷ء ص ۳۸ پر ہے کہ حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ حالات حاضرہ اور گردوپیش کے واقعات سے پوری طرح باخبر رہتے، ''اخباروں،، کا مطالعہ پابندی سے کرتے ،حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی دامت برکاتہم العالیہ سے ایک مجلس میں سنا تھا کہ ''اخبار بینی،، کا یہی معمول مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ کا بھی تھا،استاذ مرحوم بھی'' اخبار بینی،، کے عادی تھے،آپ روزانہ پابندی سے اخبار پڑھتے تھے، بندے نے کئی مرتبہ آپ کو راندیر کے علاقہ ''تائی واڑ،، میں ہوٹل باغیا کے قریب اخبار پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

اخبار پڑھتے وقت اس چیز کا خیال رکھے

انتباہ۔اخبار میں عورت کی تصویریں کثرت سے شائع کی جاتی ہیں،اخبار پڑھتے وقت اس کا خیال رکھا جائے کہ عورت کی تصویر پر نگاہ نہ پڑے اگر بھول سے نگاہ پڑ جائے تو فوراً اس پر سے اپنی نگاہ ہٹالے کیونکہ تصویر سے نفس کو لطف اندوز ہونے کا موقع بہت ملتا ہے۔

اخبار کو لوگ ایسے بھی پڑھتے ہیں

چلئے، چلتے چلتے،اخبار بینی کا مشرقی انداز بھی پڑھتے چلے،حضرت مولانا زاہد الراشدی دامت برکاتہم اپنے ایک مضمون میں تحریر کرتے ہیں کہ طویل سفر میں کوئی ہم ذوق ساتھی نہ ہوتو ''اخبار،، یا کتاب کے ساتھ وقت گذرتا ہے، پہلے جہاز یا بس میں نیند آجایا کرتی تھی،اب کچھ عرصہ سے یہ سلسلہ کم ہوتا جارہا ہے، نیز وہ لکھتے ہیں کہ ہمارے ہاں اخبار مانگ کر پڑھنا معمول کی بات ہے،اور اگر کوئی اخبار پڑھ رہا ہوتو اس کے پاس کھڑے ہوکر ترچھی نظروں سے یا الٹے سیدھے ہوکر ساتھ ساتھ پڑھتے جانا بھی کوئی عیب کی بات نہیں شمار ہوتا،مگر باہر کی دنیا میں (مراد مغربی دنیا ہے) یہ عجیب سی بات لگتی ہے،اور ایسی حرکت کو محسوس کیا جاتا ہے، ہمارے ہاں تو یوں ہوتا ہے کہ بس یا ویگن میں سفر کرتے ہوئے کوئی اخبار خریدیں تو چند لمحوں میں ورق ورق ہوکر مسافروں میں تقسیم ہوجاتا ہے،اور منزل پر اترنے سے پہلے اسے دوبارہ جمع کرنا پڑتا ہے،''اخبار بینی،، کے فوائد ونقصانات سے قارئین واقف ہی

ہیں ''عیاں راچہ بیاں،،۔

انداز اصلاح

طلباء سے علمی،عملی، اخلاقی غلطی سرزد ہوتو استاذ کا یہ حق ہے کہ اسے نصیحت کرے اوراس کی غلطی کی اصلاح کرے،بعض اساتذہ اس سلسلہ میں ایسا ہونے پر طالب علم کو برا بھلا کہتے ہے،اور بعض مرتبہ کچھ اساتذہ مذاق اڑانے والے اور تحقیر آمیز الفاظ بھی استعمال کرگذرتے ہیں جس سے شاگرد کی شخصیت پامال اوراس کی نفسیات ذلت سے دوچار ہوجاتی ہے،اس ناطے شاگرد کے دل میں استاذ سے نفرت پیدا ہوجاتی ہے اور جو محبت ووقار اور تعظیم ہونی چاہئے پھر وہ چیز نظر نہیں آتی ہے۔

علاج۔شاگرد سے کوئی غلطی سرزد ہوجائے تو استاذ برا بھلا کہنے کے بجائے شفقت ومحبت کے دائرے میں رہتے ہوئے اسے سمجھانے کی کوشش کرے تا کہ طلبہ کے جذبات مجروح نہ ہوں اوران کی عزت نفس پر حرف نہ آئے،استاذ مرحوم کا یہی انداز تھا کہ شفقت ومحبت کے دائرے میں رہتے ہوئے طلباء کو سمجھاتے تھے۔

میرے ایک رفیق درس نے بتایا کہ وہ قمیص کے ساتھ پینٹ پہنتا تھا،استاذ مرحوم کچھ عرصہ تک اس عمل کو دیکھتے رہے ایک دن دوران درس اس انداز میں اس عمل پر تنبیہ کی کہ سننے والے کو ناگوار نہ گذرے،الغرض انداز اصلاح ''از دل خیزد بردل ریزد،،والا تھا۔

ایک اور ساتھی نے بتایا کہ وہ اور کچھ طلباء ایک جگہ ٹی،وی پر کرکٹ میچ دیکھ رہے تھے،استاذ مرحوم کا اس طرف سے گذر ہوا آپ نے طلباء کو ٹی،وی پر میچ دیکھتے ہوئے دیکھ لیا مگر وہاں سے اس انداز سے گذر گئے گویا آپ نے ان کو دیکھا ہی نہ ہو،چند دنوں بعد درس میں اس عمل پر اس انداز سے نصیحت کی کہ یہ محسوس بھی نہیں ہونے دیا کہ میں نے تمہیں فلاں دن فلاں جگہ پر میچ دیکھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

مہتمم میں بردباری کا ہونا بہت ضروری ہے

فرق کچھ نہیں پڑتا اک جیسے ناموں سے

آدمی کو جانا ہے ہم نے اس کے کاموں سے

استاذ مرحوم مولانا اسمعیل ملا (موٹا) کے انتقال کے بعد جامعہ کے مہتمم منتخب ہوئے تھے،مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ جس شخص میں بردباری نہیں وہ مہتمم اور صدر مدرس بننے کے لائق نہیں ہے، مہتمم اور صدر مدرس میں بردباری کا ہونا بہت ضروری ہے،استاذ مرحوم میں یہ صفت بدرجہ اتم موجود تھی۔

ہر درد کی دوا گویا مہتمم ہی ہوتا ہے

مہتمم ہونا کوئی آسان کام نہیں ہوتا،یہ ایک نعمت ہونے کے ساتھ امتحان اور آزمائش بھی ہے،کہا جاتا ہے کہ اہتمام کانٹوں بھرا تاج ہے،خطیب الامت حضرت مولانا سید ابرار احمد صاحب دھلویؒ فرماتے تھے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اہتمام در

حقیقت کانٹوں بھرا تاج ہے، مدرسوں کی دنیا میں مدرس کا کام ہوتا ہے کہ مطالعہ کرے اور درس دے، دیگر خدام کی شان یہ ہے کہ ان کے اوقات فکس ہیں، مگر اہتمام ایک ''بلا،، ہے اور ''بلا،، کے دو معنی ہیں جیسا کہ آیت کریمہ ''وفی ذلکم بلاء من ربکم عظیم،، میں بلا کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں ''ابتلاء،، اور ''انعام،، تو اہتمام میں بلاء یعنی ''نعمت،، بھی ہے اور ''زحمت،، بھی ہے وہ کانٹوں بھرا تاج ہے، رات دو بجے بھی کوئی معاملہ یا کوئی مسئلہ پیش آئے تو مہتمم کو بیدار کیا جاتا ہے کہ مدرسہ میں یہ سانحہ رونما ہوا ہے، صبح کوئی مسئلہ پیش آجائے، شام کوئی مسئلہ پیش آجائے نگاہیں مہتمم کو ہی ڈھونڈ رہی ہوتی ہے، مدرسہ جاری ہوتو اس پر نظر، مدرسہ میں تعطیل ہوتب اس پر نظر، اپنے اس کو تلاش کرتے ہیں اور پرایا آجائے تو وہ بھی اسی کو تلاش کرتا ہے، تو جتنی جہتیں ہیں ہر جہت سے اس کی ذمہ داری ہوتی ہے، یہ جو مشہور مصرعہ ہے کہ ؎

ہر درد کی دوا صل علی محمد

اسی طرح مدرسوں کی دنیا میں ہر درد کی دوا گویا مہتمم ہی ہوتا ہے کہ کوئی قضیہ اور معاملہ ہوتو وہی اس کا ذمہ دار ہوتا ہے، اس کی ایسی حیثیت ہوتی ہے کہ یہ بلب ہیں، پنکھے ہیں اور اس کے علاوہ بھی مختلف قسم کے آلات چلتے ہیں مگر دراصل یہ برق کا اثر ہے کہ وہ تمام میں تابندگی اور زندگی پیدا کئے ہوئے ہیں، تو مہتمم بے چارہ یوں تو اپنے مقام پر بیٹھا ہوتا ہے مگر بعض مرتبہ ایسے حالات پیش آتے ہیں کہ وہ کسمپرسی کا

شکار ہو جاتا ہے۔

والد مرحوم کے نقش قدم پر تھے

اللہ تعالی نے استاذ مرحوم کو اہتمام کی لائن سے والد بزرگوار مولانا محمد سعید صاحب راندیریؒ کی طرح اہتمام کی خوب سوجھ بوجھ عطا فرمائی تھی اور آپ اہتمام کی لائن سے بالکل اپنے والد مرحوم کے نقش قدم پر تھے۔

مولانا محمد سعید صاحب راندیریؒ کو اللہ تعالی نے اہتمام کی صلاحیت سے خوب نوازا تھا، مولانا محمد سعید صاحب کا اہتمام کیسا تھا؟ اس تعلق سے مولانا غلام محمد صاحب بورسدیؒ کا بیان ہے کہ بطور مہتمم تمام اساتذہ کے ساتھ بڑا اچھا رویہ تھا، نیز اساتذہ بھی حضرت مہتمم صاحبؒ کا خوب احترام کرتے تھے۔

بسا دنیا میں دو مہتمم دیکھے

جامعہ کے مؤقر استاذ مولانا شمس الدین صاحب افغانیؒ فرماتے تھے کہ ''بسا دنیا میں دو مہتمم دیکھے (۱) حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ (۲) مولانا محمد سعید صاحب راندیریؒ۔

میرا بھائی محمد سعید چلا گیا

حضرت مہتمم صاحبؒ کے انتقال کے بعد بڑے درد سے فرمایا کرتے تھے کہ میرا بھائی ''محمد سعید چلا گیا'' بسا نہیں مگر کہ،، یہ جملہ مولانا شمس الدین صاحبؒ کا تکیہ کلام تھا، شمس الدین بھی اب جلد چل بسے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حضرت مہتمم

صاحبؒ کے وصال کے ایک سال بعد ۱۹۷ء میں انتقال فرمایا۔

اہتمام کی سمجھ بوجھ بھی گھر کی دہلیز سے ملی تھی

تدریس کی طرح اہتمام کی سمجھ بھی استاذ مرحوم کو گھر کی دہلیز سے ملی تھی، اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ طلباء، اساتذۂ کرام اور دیگر جامعہ کے خدام سے خوب اچھی طرح ہینڈل کر لیتے تھے، ورنہ طلباء سے نبھاؤ اور ان کو خوش رکھنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا، مولانا مفتی محمد نیاز ختنی ترکستانی فرماتے تھے کہ طلباء کی مثال ہاتھ میں چڑیا کی سی ہے، اگر زور سے دباؤ تو مرنے کا اندیشہ، اور کھلا چھوڑ دو تو اڑ جانے کا ڈر، مطلب یہ کہ طلباء پر زیادہ سختی کرو تو میدان علم چھوڑ دیتے ہیں اور ان کو کھلی چھوٹ دیدو تو جس مقصد کے لئے وہ آئے ہیں اس کے حصول سے پھر غفلت برتتے ہیں، پھر وہ مقصد کما حقہ پورا نہیں ہوتا۔

دارالافتاء کا آغاز

حضرت کے دور اہتمام میں حضرت مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی دامت برکاتہم العالیہ کی نگرانی میں دارالافتاء کا آغاز ہوا۔

انسان بڑا بن کے بھی انسان رہے

آپ نے جتنے سال منصب اہتمام کو سنبھالا اس کو دیکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ منصب نے آپ کے مزاج میں غرور وتکبر کو داخل نہیں ہونے دیا، آپ سبھی کے ساتھ محبت واپنائیت سے پیش آتے رہے۔

ہر حال میں نیک و بد کی پہچان رہے

انسان بڑا بن کے بھی انسان رہے

دانا ہی سے امید یہ ہو سکتی ہے

نادان کو الٹو بھی تو نادان رہے

چاند کمیٹی کی صدارت

راندیر چاند کمیٹی کے سابق صدر استاذ مرحوم سابق شیخ الحدیث جامعہ حسینیہ راندیر حضرت مفتی اسماعیل صاحب واڈی والا نور اللہ مرقدہ کے انتقال کے بعد اس منصب کے لئے بزرگوں کی نظر انتخاب حضرت مفتی یعقوب اشرف صاحبؒ پر آ کر ٹھہر گئی اور آپ تا حیات اس منصب پر فائز رہے، ان کے انتقال کے بعد اس منصب کے لئے حضرت رحمہ اللہ کا انتخاب عمل میں آیا، تا حیات آپ بھی اس منصب پر فائز رہے، اب اس منصب کے لئے جس شخصیت کو نامزد کیا گیا ہے وہ بھی احقر کے استاذ مکرم ہے یعنی حضرت شیخ الحدیث قاری عبد الرشید صاحب اجمیری دامت برکاتہم العالیہ۔

دنیا انہیں دیکھتی ہیں اور مجھ کو یاد کرتی ہے

جگر راہ میں نقش ایسے چھوڑ آیا ہوں

کہ دنیا انہیں دیکھتی ہیں اور مجھ کو یاد کرتی ہے

آپ کے شاگردوں کی فہرست کافی طویل ہے، جو ملک و بیرون ملک دین

کے مختلف شعبے سے جڑے ہوئے ہیں، ان میں چند ایسے نام بھی ہیں جن کو اللہ تعالی نے خوب مقبولیت سے نوازا ہے۔

احسان کا مزہ ہے احسان کر کے بھولے

گر ہو سلوک کرنا انسان کر کے بھولے

احسان کا مزہ ہے احسان کر کے بھولے (داغ)

آپ اپنے دور اہتمام میں اور اس سے پہلے بھی نادار طلباء کی مالی امداد کرتے تھے، مگر آپ نے کبھی کسی سے اس کا اظہار نہیں کیا۔

آخری منزل

جنہیں اب گردش افلاک پیدا کر نہیں سکتی

کچھ ایسی ہستیاں بھی دفن ہیں گور غریباں میں

آپ کی تدفین راندیر کے قبرستان بنام گور غریباں میں عمل میں آئی، اس قبرستان میں بڑے بڑے اولیاء اللہ آرام فرما ہیں۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے

سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

کھو کے اپنی بزم سے اہل میخانہ تجھے
مدتوں تڑپا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

حضرت مفتی یعقوب اشرف صاحب راندیریؒ،
سابق مہتمم دارالعلوم اشرفیہ، راندیر

مختصر سوانحی خاکہ

پیدائش۔۱۲مئی ۱۹۵۷ء بمقام راندیر

سندفضیلت۔۸۱۔۱۹۸۰ء دارالعلوم اشرفیہ راندیر

اساتذۂ کرام۔جدامجد مولانا احمد اشرف راندیریؒ

مولانا محمد رضا اجمیریؒ، حکیم ابوالشفاءؒ، مولانا یعقوب بھڑکودرویؒ

مولانا رجب ترکیسریؒ، مفتی عبدالغنی کاویؒ، مفتی محمد آچھودی

مولانا یوسف بوڈھانیؒ، مولانا محی الدین راندیریؒ

مولانا قاسم صاحب کرمالی دامت برکاتہم العالیہ وغیرھم۔

افتاء۔مسیح الامت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادیؒ کی زیر نگرانی ۱۹۸۲ء میں مفتاح العلوم سے

اصلاحی تعلق۔اولاً شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ سے، بعدہ مولانا مسیح اللہ خاں صاحبؒ سے، ان کی وفات کے بعد محی السنۃ مولانا ابرارالحق صاحب ہردوئیؒ سے، حضرت کے دنیا سے رحلت فرمانے کے بعد محدث عصر مولانا محمد یونس صاحب جونپوریؒ سے۔

مجاز بیعت۔مولانا ابرارالحق صاحب ہردوئیؒ

تدریس۔دارالعلوم اشرفیہ، مدرسہ اسلامیہ صوفی باغ سورت

صدارت۔نوسال تک راندیر چاند کمیٹی کے صدر رہے

نائب صدر۔محکمۂ شرعیہ راندیر

رکن شوری۔ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، جامعہ حقانیہ، کھٹور

مدت تدریس۔تقریباً ۳۵ سال

مدت اہتمام۔۲۷ سال

عقد نکاح۔راندیر جامعہ حسینیہ کے سابق مہتمم مولانا اسماعیل صاحبؒ کی دختر نیک اختر سے ۱۹۸۵ء میں ہوا

اولاد۔ایک لڑکا دو لڑکی

وفات۔۱۸ اکتوبر ۲۰۱۵ء بوقت صبح ۲۰۔۶ بجے سے ۴۵۔۶ کے درمیان۔

صلوۃ جنازہ۔۸ کتوبر ۲۰۱۵ء کو دو پہر ۴ بجے صاجزادہ مفتی احمد اشرف سلمہ کی امامت میں راندیر اسلامیہ جیم خانہ میں ادا کی گئی۔

تدفین۔راندیر میں اپنے آبائی قبرستان میں عمل میں آئی۔

دو قسم کے کمالات

اللہ تعالی نے حضرتؒ کو جن کمالات وخوبیوں سے نوازا تھا وہ دو قسم پر تھے وہبی، کسبی، وہبی یعنی وہ کمالات اور خوبیاں جو اللہ تعالی نے ان کو براہ راست عطا فرمائی تھی اس میں ان کی محنت وکوشش کا کچھ دخل نہیں تھا۔

کسبی یعنی وہ کمالات اور خوبیاں جس کو بھی عطا کرنے والی تو اللہ تعالی ہی کی ذات ہے مگر اس میں بظاہر حضرت کی کوشش ومحنت کو بھی دخل تھا۔

وہبی کمالات

اول۔اللہ تعالی نے حضرت مہتمم صاحبؒ کو راندیر جیسی علمی بستی میں پیدا فرمایا جس کو ''قریۃ الصالحین،، کہا جاتا ہے۔

دوم۔دیندار گھرانے میں تولد اللہ نے آپ کو دیندار اور علمی گھرانے میں پیدا فرمایا، یہ بھی اللہ تعالی کی بہت بڑی نعمت ہے، مولانا محمد منظور نعمانیؒ ''تحدیث نعمت،، میں تحریر کرتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالی نے مجھے دیندار گھرانے میں پیدا فرمایا، دیندار گھرانے میں پیدا ہو جانا یہ اللہ تبارک وتعالی کی بہت بڑی نعمت ہے۔

سوم۔جس میں کسب اور وہب دونوں کو دخل ہے وہ ہے علم دین کا حصول اللہ تبارک وتعالی جس کے ساتھ بھلائی اور خیر کا ارادہ کرتا ہے اسے ''من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین ،، دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے، یہ بھی اللہ تعالی کا انتخاب ہوتا ہے۔

کسبی نعمت

امام رازیؒ تحریر کرتے ہیں کہ دین کا علم حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے قید خانہ سے چھٹکارے کا سبب بنا تھا، تو جو مسلمان علم دین حاصل کرے گا یہ علم اس کے لئے دنیا میں شکوک وشبھات کے قید خانہ سے چھٹکارے کا سبب بنے گا، قبر میں عذاب قبر سے نجات کا سبب بنے گا اور آخرت میں جہنم سے خلاصی کا سبب بنے گا۔

مثالی اہتمام

اللہ تعالیٰ نے اہتمام کی لائن سے خوب سمجھ بوجھ عطا فرمائی تھی، اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ طلباء کو اچھی طرح ہینڈل کر لیتے تھے ورنہ طلباء سے نبھاؤ کوئی آسان کام نہیں ہوتا، طالب علم اور استاذ کے درمیان کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آجائے تو وہ موقع مہتمم کے لئے بڑا امتحان کا ہوتا ہے، سلجھے اور تجربہ کار مہتمم کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ وہ ایسا فیصلہ کرے کہ استاذ کے مقام پر بھی زد نہ پڑے اور طلباء کا دل بھی رہ جائے، حضرت کے دور اہتمام میں بھی ایسے مواقع آئے، ان مواقع پر ایسا فیصلہ کیا کہ استاذ کے مقام پر بھی زد نہیں آئی اور طلباء کے دلوں کو بھی رنجیدہ نہیں ہونے دیا۔

حضرت کے پاس جب کبھی بیٹھنا ہوا تو دلی خواہش یہ رہی کہ مجلس زیادہ دیر تک چلے، حضرت کی مجلس میں دل خوب لگتا تھا۔

بہت جی لگتا تھا صحبت میں ان کی
وہ اپنی ذات میں اک انجمن تھے

داداجان کے نقش قدم پر

پورے دور اہتمام میں اپنے دادا جان کے اہتمام کرنے کا جو انداز تھا اسی کا فالو کرتے رہے، حتی الامکان اسی پر اپنے آپ کو گامزن رکھا۔

محبت شیخ

حضرت والا ہردوئی کے علوم سے مستفیض ہونے اور وہاں رہ کر اپنے دل

کی دنیا کو سنوارنے کی غرض سے راندیر سے ایک طویل سفر طے کرکے مسلسل ہردوئی حاضری دیتے رہے، حضرت ہردوئی بھی آپ سے بڑی محبت فرماتے تھے، اسی محبت کا نتیجہ تھا کہ حضرت والا ہردوئی کی معیت میں آپ کو ملک و بیرون ملک کے سفر کی سعادت بھی نصیب ہوئی، حضرت ہردوئی برطانیہ کے ایک سفر میں استاذ مرحوم کو بھی اپنے ساتھ لائے تھے اور پھر ایک وقت وہ بھی آیا کہ حضرت ہردوئیؒ نے آپ کو خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا۔

شیخ کے مشن سے عقیدت

مولانا ابرارالحق صاحب ہردوئیؒ کو قرآن کریم اوراذان واقامت کی تصحیح کا خاص خیال رہتا تھا، حضرت ہردوئی جہاں کہیں تشریف لیجاتے لوگوں ان باتوں کی طرف متوجہ کرتے تھے، حضرت نے بھی اپنے شیخ کی اس روایت اور مشن کو آگے بڑھایا اپنے ادارے میں ہردوئی سے تعلیم یافتہ ایک استاذ کو بطور مدرس رکھا اور خود بھی وقتاً فوقتاً طلباء کواذان واقامت سکھاتے رہتے تھے، اپنے بیانات میں بھی شیخ کا کوئی نہ کوئی ملفوظ ضرور سناتے تھے، ابھی چند مہینے پہلے سفر برطانیہ ہوا تھا اس سفر میں بندہ کے گھر پر بھی دو دن قیام فرمایا تھا، اس دوران لندن میں جتنے بھی بیانات ہوئے اس میں حضرت والا کا ذکر کسی نہ کسی بہانہ سے آہی جاتا تھا۔

گلشن سلیمانی سے وابستگی

سرزمین گجرات کے عظیم صوفی و بزرگ شاہ صوفی سلیمان صاحبؒ کا شہر

سورت میں قائم کردہ ادارہ ’مدرسہ اسلامیہ، ،صوفی باغ کی شاخ رامپورہ سورت میں وجود میں آئی تو وہاں درجۂ عالمیت بھی شروع ہوئے، پھر ایک وہ وقت بھی آیا کہ دورۂ حدیث بھی شروع ہوا، بخاری شریف کی تدریس کے لئے منتظمین کی نظر انتخاب حضرت مہتمم صاحبؒ پر آکر ٹھہر گئی۔

اولیت

یہ رتبہ بلند ملا جس کو ملا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

صوفی باغ کے سب سے اول شیخ الحدیث حضرت الاستاذؒ منتخب ہوئے ،اس طرح یہ اولیت حضرت کے حصہ میں آئی (از ہر ہند دار العلوم دیو بند کے سب سے اول شیخ الحدیث مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ تھے، دار العلوم دیو بند کے سب سے اول شیخ الحدیث کا نام بھی ’’یعقوب،، تھا اور یہاں مدرسہ اسلامیہ صوفی باغ ،سورت کے اولین شیخ الحدیث کا اسم گرامی بھی ’’یعقوب،، اس سے ہم نیک فال لیتے ہیں کہ اللہ تعالی نے دار العلوم دیو بند کو جیسی علمی اور روحانی ترقی عطا فرمائی ویسی ہی اس ادارے کے حصہ میں بھی آئے) یہ بھی خدا تعالی کا عجیب نظام رہا کہ خاندان اشرف کا قائم کردہ دینی ادارہ ’’دار العلوم اشرفیہ،، کے سب سے اول شیخ الحدیث سر زمین لاجپور کے ایک عظیم سپوت ’’ مولانا سید رحمت اللہ صاحب لاجپوریؒ ،، تھے حضرتؒ نے تقریباً پچاس سال تک دار العلوم اشرفیہ میں بخاری

شریف کا درس دیا۔

اور ادھر دیکھئے لاجپور کے ایک بزرگ اور جلیل القدر عالم حضرت مولانا شاہ صوفی سلیمان صاحبؒ نے سورت ریلوے اسٹیشن کے قریب ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی بعد میں اس مدرسہ کی ایک شاخ چاندی والا خاندان کے ایک بڑے فعال اور متحرک اپنے کام کا دھنی اور دھنی شخص جناب سلیم بھائی چاندی والا نے خالص اہل سورت کے چندے سے سورت کے ایک علاقہ رامپورہ میں ایک شاندار اور دیدہ زیب عمارت اس مقصد کے لئے تعمیر کی کہ عالمیت کے درجات شروع کئے جائیں اور پھر ایک وہ وقت بھی آ پہنچا کہ دورۂ حدیث بھی شروع ہوا، اس عظیم منصب کے لئے موزوں شخصیت کی تلاش شروع ہوئی تو نظر انتخاب آپ پر آ کر ٹھہر گئی اس طرح آپ شیخ الحدیث کے عظیم منصب پر فائز ہوئے، اللہ تعالی کا نظام دیکھئے کہ راندیر کے خاندان اشرف کا قائم کردہ ادارہ دار العلوم اشرفیہ کے سب سے اول شیخ الحدیث لاجپور سے تعلق رکھنے والے مولانا رحمت اللہ تھے، اور ادھر سورت میں لاجپور سے تعلق رکھنے والے ایک بزرگ شاہ سلیمان صاحبؒ ایک مدرسہ کی بنیاد رکھتے ہیں اس ادارے میں سب سے اول شیخ الحدیث کے لقب سے جو ملقب ہوتا ہے وہ راندیر کے خاندان اشرف سے تعلق رکھنے والے استاذ مکرم حضرت مفتی یعقوب اشرف صاحب راندیریؒ ہے۔

ایک مہتمم ایسا بھی

عام طور پر طلباء اور اساتذہ مہتمم کی طرف سے شاکی ہوتے ہیں الا ماشاء اللہ! مگر استاذ مرحوم کا معاملہ اس سے بالکل جدا تھا، تقریباً ستائیس سال تک اس منصب پر فائز رہے اس پورے دورانیہ میں تقریباً سبھی اساتذہ اور طلباء آپ سے خوش تھے ، یہ بھی دیکھا گیا کہ مہتمم صاحبان سے طلبہ ڈرے سہمے رہتے ہیں، مگر حضرت مہتمم صاحب کا حال یہ تھا کہ ہمیشہ طلباء کا جھرمٹ آپ کو گھیرے رہتا تھا، طلباء کو جو بات کہنی ہوتی وہ بلا تکلف حضرتؒ سے کہہ دیتے تھے۔

فرمائش

حضرت سے طلباء عمدہ طعام اور مشروب کی درخواست کرتے تو حضرت بخوشی قبول کرتے ،سال میں چند ایک مرتبہ مرغی کے گوشت کی بریانی، آئس کریم، نیز راندیر کا مشہور کوکو اور تربوز کے juice سے طلباء کی ضیافت فرماتے۔

ایک واقعہ جس کا میں خود بھی گواہ رہا

موسم باراں میں دارالعلوم میں پانی جمع ہو گیا تھا، دارالاقامۃ اور درسگاہیں آمنے سامنے تھیں، دونوں کے درمیان ایک راستہ پڑتا تھا اس کو کراس کر کے جانا پڑتا تھا، پانی چونکہ بہت زیادہ تھا جس کی وجہ سے مدرسہ میں تعلیم کی چھٹی کر دی گئی تھی ،طلباء دارالاقامہ میں تھے ، بہت سے طلباء کی یہ عادت تھی رات کو عشاء کی نماز سے پہلے یا بعد میں راندیر اسٹیشن پر چائے پینے جاتے تھے، ایسی حالت میں وہ اسٹیشن پر

جا کر چائے نہیں پی سکتے تھے، تو مہتمم صاحب کی طرف سے باورچی خانہ کے ذمہ دار کو یہ ہدایت کی گئی تھی کہ چائے پکا کر سبھی بچوں کو پلائی جائے، ایسے حالات میں بھی طلباء کا اتنا خیال فرماتے تھے کہ ان کی چائے تک کا ناغہ نہیں ہونے دیتے تھے۔

خاص سلوک

حضرت کا ایک خاص احسان ہے بندے پر جو میں تاحیات بھول نہیں سکتا، اس کی مختصر روداد یہ ہے کہ بندہ عربی چہارم میں تھا کہ والد صاحب کو گلے کا کینسر ہو گیا گھر میں بھائی بہنوں میں میں ہی سب سے بڑا تھا اس لئے زیادہ بھاگ دوڑ مجھے ہی کرنی پڑتی تھی، والد صاحب کو سورت یتیم خانہ کے قریب آنند ہسپتال میں ایڈمٹ کیا گیا تھا، تقریباً دو ڈھائی مہینے ہسپتال میں رہنا پڑا تھا، اس پورے دورانیہ میں حضرت مہتمم صاحب نے مجھے مغرب اور عشاء کے بعد جو پڑھائی کا وقت ہوتا ہے اس سے رخصت دیدی تھی ساتھ رات ہسپتال میں ٹھہرنے کی اجازت بھی دے رکھی تھی، اگر یہ سہولت نہ ملتی تو شاید مجھے تعلیم درمیان میں ہی چھوڑ دینا پڑتی، میں صبح سات بجے مدرسہ آتا اور گیارہ بجے جب چھٹی ہوتی کہ فوراً ہسپتال کے لئے نکل جاتا، میرا گاؤں سورت سے دور تھا بہ نسبت راندیر کے، اس وجہ سے مہتمم صاحب نے مجھے دوپہر اور شام کا کھانا اپنے اور والدین کے لئے مدرسہ سے لے جانے کی اجازت بھی دے رکھی تھی، والد صاحب جب تک ہسپتال میں رہے اس پورے دورانیہ میں دو وقت کا کھانا ساتھ لے جاتا رہا، اللہ تعالی حضرتؒ کو اس کا

بہترین صلہ نصیب فرمائے، آمین۔

مزاج یعقوبی

حضرت کا مزاج اساتذہ کو چھوٹی چھوٹی باتوں میں تدریس سے فارغ کرنے کا نہیں تھا، جیسا کہ بعض مہتمم صاحبان کیا کرتے ہیں، اس سے مدرسہ کی تعلیم میں پختگی نہیں آتی نیز اساتذہ بھی بے فکر ہوکر خدمت نہیں کرپاتے انہیں ہر وقت تدریس سے فارغ کرنے کا ڈر ستاتا رہتا ہے اور وہ بھی اپنے طور پر نئی جگہ ڈھونڈتے رہتے ہیں۔

ایک خوبی آپ میں یہ بھی تھی کہ آپ کو پتہ ہوتا کہ فلاں مدرس یا فلاں ملازم میری برائی کرتا ہے، میرے خلاف باتیں کرتا ہے باوجود اس کے انتقامی کاروائی نہیں کرتے تھے، ملاقات ہونے پر اس سے اس طرح پیش آتے کہ اسے احساس بھی نہیں ہونے دیتے کہ مجھے تمہاری حرکتوں کا علم ہے۔

محدث کبیر مولانا محمد یونس صاحب جونپوریؒ سے لندن کی ایک مجلس میں سنا تھا کہ مہتمم ہو تو حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند جیسا جو سب کی کڑوی کسیلی سنتے تھے اور ہضم کر جاتے تھے، کوئی انتقامی کاروائی نہیں کرتے تھے، حضرت مہتمم صاحبؒ کی بھی یہی عادت تھی، ورنہ آج کے عہدیداروں کا مزاج تو ڈکٹیٹر جیسا ہوگیا ہے، عیاں راچہ بیاں، حضرت مہتمم صاحب کا سلوک مدرسین کے ساتھ کیسا ہوتا تھا۔

دو مثالیں۔(۱) استاذ مکرم قاری یونس صاحب پانولویؒ بوجوہ دار العلوم سے الگ ہو رہے تھے ان سے الوداعی ملاقات میں حضرت مہتمم صاحب نے فرمایا تھا کہ دوبارہ تدریس کا جی کرے تو دار العلوم کے دروازے آپ کے لئے کھلے ہیں۔

(۲) حضرت مہتمم صاحب کے ہم سبق مولانا عباس صاحب سریگت فرماتے ہیں کہ فراغت کے بعد دار العلوم اشرفیہ میں بطور مدرس میرا تقرر ہوگیا، سات سال تک دار العلوم میں تدریسی خدمت انجام دی، بعدہ اللہ تعالی نے جنوبی افریقہ آنا مقدر فرمایا، مہتمم صاحب نے بہت انبساط اور بشاشت سے مجھے دار العلوم سے رخصت دی، ساتھ یہ بھی فرمایا کہ کسی وجہ سے اگر وہاں جی نہ لگے تو آپ کے لئے دار العلوم کے دروازے کھلے ہیں یہ کہتے ہوئے مجھے ایک سال کی رخصت دی، مولانا فرماتے ہیں کہ ایسی مثالیں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔

وقت آنے پر عملاً ایسا کر کے بھی دکھایا، دار العلوم کے ایک استاذ تدریس چھوڑ کر بیرون ملک مقیم ہو گئے تھے، وہاں ان کا دل نہیں لگا تو دوبارہ انڈیا کا رخ کیا انڈیا آ کر حضرت مہتمم صاحبؒ سے تدریس کی خواہش کا اظہار کیا، حضرتؒ نے ان کو دوبارہ تدریس کے لئے رکھ لیا۔

ایک مرتبہ جو یہاں آ گیا پھر وہ یہیں کا ہو کر رہ جاتا تھا

دار العلوم کے متعلق مشہور ہے کہ یہاں جو بھی آیا پھر وہ یہیں کا ہو کر رہ

جاتا ہے، چند مثالیں۔(۱) مولانا رجب صاحب ترکیسریؒ دارالعلوم اشرفیہ کی تاریخ میں ان کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ درجۂ عالمیت کا پورا کورس از اول تا آخر دارالعلوم اشرفیہ میں پڑھا اور فراغت کے بعد تدریسی خدمت بھی مادرعلمی میں شروع کی اور تادم حیات مادرعلمی سے وابستہ رہے۔

(۲) دارالعلوم کے سابق شیخ الحدیث برکۃ العصر مولانا محمد رضا اجمیری صاحبؒ جو شیخ اجمیری کے لقب سے معروف تھے بطور مدرس تشریف لائے اور تاحیات اشرفیہ میں تدریسی خدمت انجام دی۔

(۳) حکیم ابوالشفاءؒ بھی دارالعلوم اشرفیہ میں مدرس بن کر تشریف لائے اور پوری زندگی درس وتدریس میں گذاردی۔

(۴) مولانا محی الدین صاحبؒ نے بھی درس وتدریس کا تعلق تاحیات دار العلوم سے قائم رکھا۔

اندازِ تدریس

تدریس کا انداز ایسا پیارا تھا کہ غبی سے غبی طالب علم بھی سبق سمجھ لیتا تھا،س کی دو وجہیں تھیں ایک تدریس کے لئے آسان زبان کا استعمال دوسرے دوران سبق حسب موقع اسلاف کے واقعات کا سہارا جس سے طلباء کو سبق سمجھنے میں خوب مدد ملتی تھی۔

انداز خطابت

ہر مقرر کا اپنا انداز بیان ہوتا ہے کوئی واعظ خوش بیان ہوتا ہے جس کے چٹکلوں اور لطیفوں اور مسجع ومقفع عبارتوں سے لوگ محظوظ ہوتے ہیں اور گھنٹوں اس کی تقریر سنتے ہیں، کوئی شعلہ بیان خطیب ہوتا ہے جس کی تقریر سے آگ برسنے لگتی ہے اور ہنستے ہوئے لوگ رونے لگتے ہیں، استاذ مرحوم نہ شعلہ بیان خطیب تھے نہ خوش گلو واعظ وہ ان ساری صفات سے عاری تھے، حضرت کی تقریر کے الفاظ اگرچہ عصر جدید کے الفاظ وتعبیرات سے میل نہیں کھاتے تھے لیکن سننے والوں کے دلوں میں گھر کر جاتے تھے اور تقریر میں تدریس سے بھی آسان زبان ستعمال کرتے تھے، تقریر کا مقصد عوام کو دین کی بات سمجھانا ہوتا ہے نہ کہ اپنی علمی قابلیت کا اظہار کرنا ،قرآن کریم سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تقریر کا مقصد ہے سامنے والے کو اپنی بات سمجھانا، حضرت موسی علیہ السلام اللہ تعالی سے التجا کر رہے ہیں، **رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدة من لسانی یفقهوا قولی** میری زبان کی گرہ کھولدے تاکہ فرعون میری بات سمجھ سکے۔

حضرت تھانویؒ کا ملفوظ ہے کہ اگر کوئی مقرر سامعین کے سامنے اس طرح تقریر کرتا ہے کہ مقرر کی بات سامعین کی سمجھ میں نہ آئے تو یہ مقرر کی سامعین سے محبت نہ ہونے کی علامت ہے۔

ایک واقعہ۔ مولانا محمد فاروق صاحب سکھرویؒ کے خطبات میں ہے کہ

حضرت تھانویؒ کا دنیا سے جانے کا وقت قریب تھا، حضرت سے تعلق رکھنے والے چند افراد جو تھانہ بھون کے قریب ایک گاؤں کے باشندے تھے حاضر خدمت ہوئے اور درخواست کی کہ حضرت! آخری وقت میں آپ ہمیں کوئی ایسی نصیحت کر دیجئے کہ ہم اسے پلو باندھ لیں اور وہ ہمیں تا حیات کام دے، حضرت نے ان کی خواہش کا احترام کیا اور اپنے علمی معیار کے مطابق نہیں بلکہ مخاطبین کی رعایت کرتے ہوئے ان کی زبان میں انہیں تین نصیحتیں کیں، فرمایا کہ: اللہ تعالی کی رضا مطلوب ہو چاہے گھر میں رضائی نہ ہو، یکسوئی مطلوب ہو چاہے گھر میں سوئی نہ ہو، خود رائی رائی کے دانہ کے برابر بھی نہ ہو۔

خطیب الامت کی کتب کا انتظار رہتا ہے

برطانیہ کے آخری سفر میں ایک دن مجھ سے فرمایا کہ عبدالسلام! مولانا ابرار احمد صاحب دھلیویؒ کی کوئی نئی کتاب بہت عرصہ سے شائع نہیں ہوئی، کیا وجہ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت! بچے چھوٹے تھے تو تصنیفی کام کا موقع مل جاتا تھا اب جیسے جیسے بچے بڑے ہو رہے ہیں مشغولیت بھی بڑھتی جا رہی ہے، فرمایا کہ وقت نکال کر تھوڑا تھوڑا کام کرتے رہو، مولانا کی باتوں میں علمی نکات ہوتے ہیں پڑھنے میں خوب جی لگتا ہے۔

''توفیق باری،، سے ''توفیق الباری،، مل گئی ہے

برطانیہ کے سفر میں مجھ سے فرمایا کہ تیرے لئے ہندوستان سے ایک کام لے

کرآیا ہوں، میں نے عرض کیا کہ حضرت! حکم کرے، فرمایا کہ پاکستان سے ایک کتاب چھپی ہے ''توفیق الباری،، جو بخاری شریف کی پانچ چھ شروحات کا خلاصہ اور نچوڑ ہے، میں نے برطانیہ کے مختلف کتاب گھروں میں معلوم کیا مگر کتاب ملی نہیں، میں نے پاکستان سے منگوا کر حضرت کے پتے پر پوسٹ کردی، کتاب حضرت الاستاذ کے ہاتوں میں پہنچے اس سے پہلے میرا ہندوستان جانا ہوگیا، حضرت نے پوچھا وہ کتاب ملی؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت! ''توفیق باری،، سے ''توفیق الباری،، مل گئی ہے ان شاء اللہ بہت جلد آپ تک پہنچ جائے گی، یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔

پل

دارالعلوم میں بارش کے موسم میں پانی بھر جاتا تھا، دارالاقامۃ اور درسگاہ کے درمیان ایک راستہ تھا اسے عبور کرنا ہوتا تھا، راستہ میں پانی بھر جانے کی وجہ سے بعض مرتبہ طلباء کی پڑھائی بھی متاثر ہوتی تھی، حضرت کے حساس دل نے یہ گوارا نہ کیا کہ طلباء کے اسباق کا ناغہ ہو، اس لئے حضرتؒ نے دارالاقامۃ اور درسگاہ کے درمیان ایک پل بنا دیا، طلباء کے لئے پل بنا کر حضرتؒ نے طلباء کے لئے درسگاہ تک رسائی کو آسان کردیا، ہر مسلمان جانتا ہے کہ مسلمان کو جنت میں پہنچنے کے لئے پل صراط سے گذرنا ہوگا اور لوگ مختلف طریقہ سے پل صراط سے گذریں گے اپنے اپنے اعمال کے مطابق، اللہ تعالی کی ذات سے قوی امید ہے کہ اس عمل (پل) کے

بدلے میں حضرت مہتمم صاحب کے لئے پل صراط سے عبور کو آسان کر دیں گے۔

نورانی قاعدہ پڑھنے والا باقاعدہ نورانی بن جاتا تھا

مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئی کے یہاں ہر طالب کو چاہے وہ کسی مدرسہ کا شیخ الحدیث ہو یا مہتمم یا کوئی اور منصب پر فائز ہو نورانی قاعدہ پڑھنا ہوتا تھا (میں کہا کرتا ہوں کہ نورانی قاعدہ پڑھنے ہی سے حضرت ہردوئی طالبین کے قلب وروح کو آدھا نورانی بنا دیتے تھے کیونکہ شیخ الحدیث اور کسی بڑے ادارے کے مہتمم کے لئے اس منصب پر ہوتے ہوئے نورانی قاعدہ پڑھنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا، اس کیلئے نفس کو خوب مارنا پڑتا ہے، نفس پر آرے چلانے پڑتے ہیں تب جا کر وہ ایسا کرسکتا ہے، تو سمجھو آدھا دل تو نورانی ویسے ہی ہوگیا اور آگے ہے ''قاعدہ،، اب یہاں کے قواعد کے مطابق وقت گذارے گا تو ''باقاعدہ نورانی،، ہو جائے گا) حضرت نے بھی ہردوئی کے قیام میں وہاں کی ہر قیود وشرائط کا پورا پورا لحاظ کیا۔

اصلاح

ایک ساتھی نے بتایا کہ وہ اور حضرت مہتمم صاحب ہردوئی میں حضرت والا کے یہاں ساتھ تھے، حضرت دیگر طالبین کی طرح زمین پر لیٹے تھے، میں نے حضرت کو یہ کہتے ہوئے تکیہ پیش کیا کہ آپ کے پاس جو تکیہ ہے وہ آپ کے لئے ناکافی معلوم ہوتا ہے، اس پر حضرتؒ نے فرمایا کہ ہم دونوں اپنی اصلاح کی غرض

سے یہاں حاضر ہوئے ہیں لہذا تم تکلف سے کام نہ لو میں ٹھیک ہوں۔

ملفوظات

یہ بھی اللہ تعالی کی ایک نعمت ہے

حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالی کی نعمتوں میں سے ایک نعمت مجھ پر یہ ہے کہ ایک آدمی کو میرے پیچھے لگا دیا ہے جو میری کمیاں ڈھونڈتا پھرتا ہے، یہ اللہ کی نعمت اس طرح ہے کہ سبھی لوگ اگر آدمی کے معتقد اور اس کے چاہنے والے ہوں تو آدمی میں بے فکری پیدا ہو جاتی ہے، کوئی ایسا کرم فرما بھی ہو تو آدمی چوکنا رہتا ہے اور ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھاتا ہے بایں معنی یہ اللہ تعالی کی نعمت ہے۔

موجودہ دور کی ایک عام بیماری

آج جسے دیکھو وہ یہ کہتا ہوا نظر آتا ہے کہ مجھ پر کسی نے کچھ باہر کا (جادو) کر دیا ہے اکثر یہ وہم ہوتا ہے، پھر جب ایک مرتبہ یہ سوچ بن جاتی ہے تو ایسا آدمی اب اپنے ساتھ پیش آنے والے ہر واقعہ کو اسی زاویہ سے دیکھتا ہے اور پھر عاملوں کے چکر میں پڑ جاتا ہے، نتیجۃً اس میں وقت، پیسہ اور بعض مرتبہ ایمان بھی برباد ہو جاتا ہے۔

فرمایا کہ میرے پاس راندیر میں ایک غریب بوڑھی خاتون آئی بالکل ان پڑھ، کہنے لگی کہ مجھ پر کسی نے کچھ کر دیا ہے (جادو) میں نے کہا کہ کسی نے کچھ نہیں کیا ہے تم نے اپنے طور پر ایسا خیال قائم کر لیا ہے، میں نے سوچا کہ یہ نہ جوان ہے،

نہ خوبصوت اور نہ مالدار، نہ ہی پڑھی لکھی ہے، اس پر کوئی جادو کیوں کرے گا، آدمی اگرایسی غلط حرکت کرتا ہے تو اکثر اس کا سبب حسد ہوتا ہے، اس کے پاس تو ایسی کوئی چیز تھی ہی نہیں جس پر حسد کیا جائے، آج کل یہ وبا بہت عام ہوگئی ہے اور صرف ناخواندہ لوگ ہی نہیں پڑھے لکھے اور دین کا علم رکھنے والے حضرات بھی اس وبا کا شکار ہیں۔

مولانا ابوالوفاءؒ کا دوران خطابت ایک معمول

مولانا ابوالوفاء شاہ جہاں پوریؒ بڑے مقرر تھے، دوران بیان جب حضور ﷺ کا ذکر آتا تو ''سید الاولین والاخرین،، کے جملے سے حضرت کو یاد کرتے، نیز فرمایا کہ ان کو پوری ابن ماجہ شریف زبانی یاد تھی۔

چلو شیخ جلال آبادی سے مطابقت ہوگئی

مولانا مسیح اللہ خاں صاحبؒ کو کوئی یہ کہتا کہ حضرت فلاں کتاب کا ایک صفحہ زبانی یاد کرنا ہے، حضرت کو یہ عمل ذرا مشکل معلوم ہوتا ہاں اگر پھر حضرت سے یہ کہا جاتا کہ اس کو سمجھانا ہے تو یہ کام حضرت کو آسان لگتا، میرا بھی یہی حال ہے اگر مجھ سے کوئی یہ کہے کہ فلاں کتاب کا ایک صفحہ زبانی یاد کرنا ہے تو مجھے ذرا مشکل لگتا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ فلاں صفحہ کو سمجھا دیجئے تو یہ عمل آسان معلوم ہوتا ہے پھر فرمایا کہ چلو شیخ جلال آبادی سے مطابقت ہوگئی۔

مولانا عبید اللہ سندھی کو سیاسی سوجھ بوجھ خوب تھی

مولانا عبید اللہ سندھیؒ کو اللہ تعالی نے سیاسی سوجھ بوجھ خوب دی تھی اگران کو ایک بڑا ملک چلانے کے لئے دیدیا جاتا تو ان میں یہ استعداد تھی کہ وہ اس کو چلا سکتے تھے، حضرت کبھی پلنگ پر نہیں سوتے تھے، ۱۹۲۰ء میں دار العلوم اشرفیہ کے جلسہ میں تشریف لائے تھے۔

سنگ بنیاد

دار العلوم اشرفیہ کی سنگ بنیاد مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلویؒ مہاجر مکی اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ کے مشورے سے ہمارے جدامجد الحاج اسماعیل محمد اشرف صاحب راندیریؒ نے مولانا برکت اللہ صاحب سورتیؒ کے دست مبارک سے ۱۲۸۶ھ میں رکھوائی تھی۔

دار العلوم اشرفیہ کے سب سے پہلے مدرس.....

مدرسہ کے سب سے اول مدرس مولانا برکت اللہ صاحب سورتیؒ تلمیذ مولانا احمد علی صاحب سہارنپوریؒ اور مولانا محمد عیسی صاحب گودھرویؒ شاگرد مفتی صدرالدینؒ مقرر ہوئے، بعدہ ادارہ دن بدن ترقی کی منازل طے کرتا چلا گیا۔

یعقوب! پیسوں کی فکر مت کر

دور اہتمام کے ابتدائی سالوں میں اساتذہ کی تنخواہ بڑھانے کے بارے میں سوچ رہا تھا، رات کو سویا تو خواب میں دادا جان تشریف لائے اور فرمایا کہ

یعقوب! پیسوں کی فکر مت کر یہ کہہ کر مجھے پیسوں کی تھیلی دی اور فرمایا کہ اس میں سے خرچ کرتا رہ اس کے بعد سے کبھی بھی مجھے یہ فکر لاحق نہیں ہوئی، مدرسہ اللہ اپنے فضل سے چلا رہا ہے۔

دارالعلوم اشرفیہ کو چندے کی ضرورت کیوں پڑی؟

۱۹۶۴ء میں برما کے مسلمانوں پر سخت حالات آئے، وہاں راندیر، بربودن، ہتھوڑا، وریاو اور دیگر جگہوں کے لوگ قیام پذیر تھے، حالات یہ ہو گئے کہ بڑے بڑے مالدار غریب ہوگئے، کتنوں کو قید خانہ میں بند کر دیا گیا اور کتنے لوگ قید خانہ ہی میں اللہ کو پیارے ہوگئے، مسلمانوں کی ملکیت پر حکومت نے قبضہ کر لیا، دارالعلوم کی برما میں کافی جائداد تھیں اسی سے دارالعلوم کے اخراجات پورے ہوتے تھے، چندہ نہیں کرنا پڑتا تھا، بعدہ چندہ کا سلسلہ شروع ہوا، دارالعلوم اسی سال تک کرایہ پر بھی چلا ہے۔

دارالعلوم کی مسجد

دارالعلوم میں فی الحال جو مسجد ہے وہ حضرتؒ کے دور اہتمام میں بنی ہے ،اس مسجد کے جو منارے ہیں اس کے متعلق حضرت فرماتے تھے کہ احد پہاڑ کے قریب ایک مسجد ہے اس کے منارے اور دارالعلوم کی مسجد کے منار یکساں ہے، حضور ﷺ پر جہاں پہلی وحی نازل ہوئی غار حرا میں وہاں ایک مسجد ہے اس کے منار اور دارالعلوم اشرفیہ کی مسجد کے منار بھی یکساں ہے، نیز فرمایا کہ وہاں پہلی وحی نازل

ہوئی تھی اور یہاں وحی کا علم پڑھایا جاتا ہے۔

رکشہ بھی تو سواری کا ہی ایک سادھن ہے

بندے نے حضرت کو لاجپور جامع مسجد میں خطابت کی دعوت دی، ساتھ یہ بھی عرض کیا کہ نہ میرے پاس کار ہے اور نہ میں اپنے طور پر موٹر کار کا انتظام کرسکتا ہوں، رکشہ آپ کو لینے اور چھوڑنے آئے گا، اس پر فرمایا کہ رکشہ بھی تو سواری کا ہی ایک سادھن ہے نیز فرمایا کہ قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ کو کوئی بیان کرنے یا کسی اور ضرورت سے اپنے ساتھ لیجانا چاہتا اور کہتا کہ حضرت! میں غریب آدمی ہوں میرے پاس تو آپ کو لے جانے اور واپسی میں چھوڑنے کے لئے صرف سائیکل ہے، حضرت بخوشی اس کے ساتھ سائیکل پر سوار ہو جاتے۔

وقفہ کی حکمت

لاجپور میں جو بیان ہوا اس میں ایک بات یہ فرمائی تھی کہ جمعہ کی نماز سے پہلے جو بیان ہوتا ہے تو بیان کے ختم پر بیان اور خطبہ کے درمیان کم از کم آٹھ دس منٹ کا فاصلہ ہونا چاہئے تا کہ جو حضرات دوران بیان مسجد میں آئے وہ بیان میں شرکت کر سکے، مسجد میں داخل ہونے کے ساتھ سنت مئوکدہ پڑھنے کی فکر نہ رہے ،اس کے بعد سے مسجد میں اسی پر عمل ہو رہا ہے۔

جب اجتماعی عمل ہو رہا ہو اس وقت انفرادی عمل کو......

یہاں ایک بات یاد رکھنی چاہئے کہ جمعہ سے پہلے خطیب جو خطاب کرتا

ہے وہ بھی دین کا ہی حصہ ہے، دینی کام ہے، بیان اجتماعی عمل ہے اور سنت پڑھنا یا قرآن کریم کی تلاوت یہ انفرادی عمل ہے ،فقہاء لکھتے ہیں کہ جب اجتماعی عمل ہو رہا ہو اس وقت انفرادی عمل چھوڑ دینا چاہئے اور پہلے سے انفرادی عمل میں مشغول تھا تو اس کو چھوڑ کر یا جلدی سے ختم کر کے اجتماعی عمل میں شریک ہو جانا چاہئے۔

اب یہ محبت کی بات ہے کہ کوئی جمعہ کے علاوہ مرنا پسند کریں

جس شخص کا انتقال جمعہ کے دن ہوتا ہے اس کو قبر میں حضور ﷺ کا دیدار نہیں ہوگا اس لئے کہ جمعہ کے دن مرنے والے سے سوال و جواب نہیں ہوتے ہیں اب یہ محبت کی بات ہے کہ کوئی جمعہ کے علاوہ مرنا پسند کریں، پھر فرمایا کہ حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب اور مولانا محمد رضا اجمیری کا انتقال جمعہ کے دن ہوا تھا، نیز فرمایا کہ حضور ﷺ کی پیدائش اور انتقال دونوں پیر کے دن ہوئے ہیں ،میرے دادا جان کی پیدائش اور وفات دونوں پیر کے دن ہوئے تھے۔

حدیث کی کتب اور فقہی کتب کے مصنفین

حدیث کی اکثر کتب کے مصنف یا تو شوافع المسلک ہے یا حنابلہ ہیں یا پھر مجتہد مطلق ہے اس لئے کہ امام شافعیؒ یہ محدث تھے،اور فقہی کتب کے اکثر مصنفین احناف ہیں اس لئے کہ امام ابوحنیفہؒ کا زیادہ مشغلہ فقہ کا تھا۔

مسیح الامت کا ایک خاص اعزاز

شیخ جلال آبادی فرماتے تھے کہ اکثر و بیشتر بزرگوں کو جو لقب ملے ہیں وہ

ان کے شاگردوں کی طرف سے ملے ہیں لیکن مجھے جو مسیح الامت کا لقب ملا ہے یہ میرے استاذ کی طرف سے ملا ہے۔

حضرت خضر سے ملاقات کی ہے؟

مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ سورت تشریف لائے تھے، ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت! آپ نے حضرت خضر سے ملاقات کی ہے؟ مسکراتے ہوئے فرمایا کہ جی ہاں! مولانا انظر شاہ کشمیری کے بیٹے خضر سے میری ملاقات ہوتی رہتی ہے۔

قیامت وہبی نہیں کسبی ہے

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا ملفوظ ہے کہ قیامت وہبی نہیں ہے یعنی ایک دم سے قیامت نہیں آئے گی قیامت کسبی ہے یعنی لوگ ایسے اعمال کریں گے کہ ان کے اعمال قیامت کو دعوت دیں گے۔

اچھا معلوم نہیں ہوتا ہے

میں نے مفتی عبد الغنی صاحبؒ سے پوچھا کہ حضرت! طلباء کو وائرنگ کا کام سکھانا چاہئے؟ تو فرمایا کہ طلباء کے لئے یہ کام اچھا معلوم نہیں ہوتا کہ طالب علم ادھر سے ادھر سیڑھی لیکر دوڑے، اس سے کچھ mistake ہوجائے تو لوگ اسے گالیاں دیں۔

ذاکر کو ہمیشہ تر وتازہ رہنا چاہئے

حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کا ملفوظ ہے کہ ذاکر کو ہمیشہ تر وتازہ رہنا

چاہئے اس کا نسخہ یہ ہے کہ خالص گھی اور کالی مری دونوں ساتھ کھائے کیونکہ بہت زیادہ ذکر کرنے سے دماغ خشک ہوجاتا ہے، گھی اور مری کے استعمال سے دماغ تروتازہ رہتا ہے۔

دارالعلوم اشرفیہ کا خصوصی امتیاز

دارالعلوم کا خصوصی امتیاز رہا ہے کہ اس نے شروع ہی سے لوگوں کو دین سے وابستہ اور بدعات سے دور رکھنے کے لئے قریہ،قریہ گاؤں، گاؤں مکاتب کا جال بچھایا اس سے پہلے تک یہ سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا،مولانا احمد اشرف راندیریؒ نے ۱۹۲۸ء سے اس سلسلہ کا آغاز کیا تھا،حضرت کے زمانہ میں قرب و جوار میں حضرت ہی کی سرپرستی میں سوڈیڑھ سومکاتب چلتے تھے جن میں سے بعض اب بھی چل رہے ہیں پھر جب مقامی لوگوں میں دینی بیداری آئی تو انہوں نے ازخود ذمہ داری اپنے سر لے لی اوراب یہ سلسلہ بفضل اللہ وسیع ہوتا جارہا ہے۔

یہ کتابیں ہزاروں بندگان خدا کے بدعات سے بچنے کا ذریعہ بنیں

مولانا غلام محمد صادق راندیریؒ نے گجراتی زبان میں کتابوں کی اشاعت کے عمل کو شروع کیا تھا، یہ کتابیں ہزاروں بندگان خدا کے لئے بدعات سے بچنے کا ذریعہ بنیں،مولانا عبدالرحیم صادقؒ نے ہی سب سے پہلے گجراتی زبان میں قرآن کا ترجمہ وتفسیر کی تھی، پاکستان میں آپ کے گجراتی ترجمہ وتفسیر کو پڑھ کر خواجہ برادری کے کئی افراد نے اپنے عقائد کو درست کیا تھا۔

شیخ کا چہرہ دیکھنا اور وہ بھی بے وضو

مولانا مسیح اللہ خاں صاحبؒ فرماتے تھے کہ شیخ کا چہرہ بے وضو نہیں دیکھنا چاہئے، میں نے اپنے شیخ کی زیارت کبھی بے وضو نہیں کی۔

تعلق

فرمایا کہ مجھے اپنے شیخ حضرت والا ہردوئیؒ سے اس قدر دلی تعلق ہے کہ اگر میں اپنے جسم کو کاٹوں تو خون کے ہر ایک قطرے سے ''ابرار الحق، ابرار الحق،، لکھا ہوا نکلے گا۔

اس سے طلباء کو بھی روحانی فائدہ حاصل ہوتا ہے

دارالعلوم کے سالانہ جلسے میں مہمان خصوصی کے طور پر جس شخصیت کو مدعو کرتا ہوں تو یہ دیکھتا ہوں کہ وہ کسی بزرگ سے وابستہ ہے یا نہیں، تاکہ طلباء کو بھی روحانی فائدہ حاصل ہو میں اس نسبت پر مدعو نہیں کرتا کہ وہ بڑا خطیب ہے۔

ترقی

حضرتؒ کے دور اہتمام میں دارالعلوم نے جو تعلیمی و تعمیری ترقی کی اس پر ایک طائرانہ نظر۔

مفتی احمد اشرفؒ کے دور اہتمام میں طلباء کی کل تعداد ڈھائی سو سے تین سو کے قریب رہا کرتی تھیں، حضرت مہتمم صاحبؒ کے دور اہتمام میں یہ تعداد بڑھ کر ساڑھے چار سو سے زائد ہوگئی تھی، فی الحال دارالعلوم میں تقریباً چار سو ستر طلباء تعلیم

حاصل کررہے ہیں۔

مولانا احمد اشرف صاحبؒ کے دور اہتمام میں دارالاقامۃ کے سولہ کمرے تھے، حضرت مہتمم صاحب نے اس کو بڑھا کر تعداد دوگنی کردی۔

مولانا احمد اشرف صاحبؒ کے دور اہتمام میں درسگاہ کی عمارت دو منزلہ تھیں، حضرت مہتمم صاحب نے اپنے دور اہتمام میں درسگاہ کی بلڈنگ تین منزلہ کردی۔

مولانا احمد اشرف صاحبؒ کے دور اہتمام میں کیچن الگ سے نہیں تھا، حضرت مہتمم صاحب نے دارالعلوم میں کیچن الگ سے بنوایا۔

دارالعلوم کی خوبصورت اور دیدہ زیب مسجد کی تعمیر حضرت نے کروائی ، بورڈنگ اور درسگاہ کے درمیان ایک پل بنوایا جواب دارالاقامۃ کو سیدھا درس گاہ سے جوڑتا ہے، دارالعلوم میں باقاعدہ دارالافتاء کا قیام عمل میں آیا۔

احترام

حضرت مشائخ کا حد درجہ اہتمام کرتے تھے، باوجود بھاری بدن ہونے کے چہارزانو نہیں بیٹھتے تھے، کبھی کبھی تو تین تین گھنٹے آپ دوزانو بیٹھے نظر آئے۔

ادب

چاند تارے قدموں میں بچھے جاتے ہیں
یہ بزرگوں کی دعاؤں کا اثر لگتا ہے

فرمایا کہ میرے ساتھ اکابر ومشائخ جو محبت کا معاملہ فرماتے ہیں اور دعاؤں سے نوازتے ہیں وہ سب میرے ادب کی وجہ سے ہیں۔

دلوں میں بسنے والے پھولوں جیسے ہوتے ہیں، دنیا سے چلے
بھی جائیں تو پیچھے یادوں کی خوشبو چھوڑ جاتے ہیں

مئولف کی دیگر تالیفات

(۱)منتخب تقاریر۔جلداول(مطبوعہ)

(۲)مجالس خطیب الامت۔اول ودوم(مطبوعہ)

(۳)لطائف سورۂ یوسف۔اول ودوم(مطبوعہ)

(۴)ملفوظات خطیب الامت۔جلداول(مطبوعہ)

(۵)ارشادات خطیب الامت۔جلداول(مطبوعہ)

(۶)بچوں کے لئے احکام ومسائل(مطبوعہ)

(۷)مختصر تذکرہ حضرت مولانا یعقوب اشرف صاحب راندیریؒ(مطبوعہ)

(۸)گلدستہ سعید(مطبوعہ)

(۹)حمد ونعت کا گلدستہ(مطبوعہ)

(۱۰)میرے محسنین(مطبوعہ)

(۱۱)مدرسہ اسلامیہ لاجپور کے دس اساتذۂ کرام کا کچھ ذکر خیر(مطبوعہ)

(۱۲)دل کے احساسات،بشکل رباعی،جلداول(مطبوعہ)

(۱۳)والد مرحوم کا کچھ ذکر خیر(غیر مطبوعہ)

(۱۴)شخصیات(منظوم)(غیر مطبوعہ)

(۱۵)دل کے احساسات،گجراتی(غیر مطبوعہ)